عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان
ہفت روزہ
ختم نبوۃ
INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN
جلد: ۳۹ | ۲۷ محرم الحرام تا ۴ صفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ ستمبر ۲۰۲۰ء | شمارہ: ۳۵

حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا
جذباتیت یا حقیقت پسندی؟

قادیانیت کے خلاف قانونی چارہ جوئی

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com

گالی گلوچ اور فحش گوئی کی ممانعت

س:...... شریعت کی نظر میں گالی دینا اور فحش گوئی کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس بارے میں قرآن وسنت میں کیا حکم ارشاد ہوا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ آج کل گالیاں دینا فیشن بن چکا ہے اور اس کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ مذاق مذاق میں اور بات بات پر گالی دینا عام ہے۔ چھوٹا بڑا ہر ایک اس فعل میں ملوث ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو گالیاں سکھائی جاتی ہیں اور تفریحاً ان سے کہا جاتا ہے کہ گالی بک کے دکھاؤ، دوسری طرف مذاق میں گالم گلوچ کرتے کرتے نوبت لڑائی فساد تک جا پہنچتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان ہو جاتے ہیں۔

ج:...... اسلامی شریعت نے تو مسلمانوں کو بہترین اخلاق اور بڑا ادب سکھلایا ہے اور اس کو نہ صرف ضروری قرار دیا ہے بلکہ اس پر عمل کرنے والوں کو بہترین اخلاق کے حامل ہونے کی سند اور عظیم اجر وثواب اور جنت کے حصول کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

"عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من احبکم الی احسنکم اخلاقاً۔" (مشکوٰۃ:۴۳۱)

ترجمہ: "عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

ایک اور حدیث میں ہے: "عن ابی الدرداء عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان اثقل شیئ یوضع فی میزان المومن یوم القیامۃ خلق حسن وان اللّٰہ یبغض الفاحش البذی۔" (مشکوٰۃ:۴۳۱)

ترجمہ: "ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے وزنی چیز جو ایک مومن کے ترازو میں قیامت کے دن تولی جائے گی وہ بہترین اخلاق ہوں گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حیاء فحش گو کو ناپسند فرماتے ہیں۔" (مشکوٰۃ:۴۳۱)

کسی مسلمان کو ایذا دینا، اس کی غیبت کرنا، مذاق اڑانا، بے عزت کرنا، بُرے القابات سے نوازنا، اس کو بُرا بھلا کہنا گالی گلوچ کرنا یہ سب امور ناجائز ہیں اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ گناہ ایسے ہیں کہ ان کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد سے بھی ہے یعنی ایسے گناہ کے ارتکاب کرنے والے شخص کی توبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اُس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ خود صاحبِ حق سے جاکر معافی نہ مانگ لے۔ گالی گلوچ کرنے سے ممانعت کے بارے میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱:... "عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔" (مشکوٰۃ:۴۱۱)

ترجمہ: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا، سخت گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

۲:... "عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاینبغی لصدیق ان یکون لعاناً۔" (مشکوٰۃ:۴۱۱)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو کسی پر لعنت کرنے والا نہیں ہونا چاہیے۔"

۳:... "عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الاارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔" (مشکوٰۃ:۴۱۱)

ترجمہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی کسی کو فاسق یا کافر کہتا ہے اور وہ ایسا نہ ہو تو خود کہنے والا ویسا بن جاتا ہے۔"

ہفت روزہ ختم نبوۃ

مجلس

جلد:۳۹ ۲۷ محرم الحرام تا ۴ صفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ ستمبر ۲۰۲۰ء شمارہ:۳۵

مجلس ادارت

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری، صاحبزادہ مولانا عزیز احمد،

علامہ احمد میاں حمادی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی،

مولانا قاضی احسان احمد

سرپرست

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ

حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفی

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین و آرائش:

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

بیاد

امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ

محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ

فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ

ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ

شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

اس شمارے میں!

اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا……	۴	محمد اعجاز مصطفی
حقوق مصطفی ﷺ	۹	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
ماہ صفر میں رائج توہمات	۱۲	مرسلہ: حافظ محمد سعید لدھیانوی
سوشل میڈیا کے اثرات بد!	۱۵	مولانا محمد الیاس مدنی
قادیانیت کے خلاف عدالتی چارہ جوئی (۲)	۱۷	الحاج گوہر رحمٰن ایڈووکیٹ
قاری دین محمد ثاقبؒ کی رحلت	۲۰	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
سالانہ تحفظ ختم نبوت کورس، کراچی	۲۱	مولانا محمد قاسم، کراچی

زرتعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۰۰ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۸۰ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۷۰ ڈالر

فی شمارہ ۱۵ روپے، ششماہی: ۳۵۰ روپے، سالانہ: ۷۰۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019

(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019

AALMIMAJLISTAHAFFUZKHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018

(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018

Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)

ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰

Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)

Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi

Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان

فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶

Hazori Bagh Road Multan

Ph:061-4783486

لندن آفس:

35,Stockwell Green

London, SW9 9HZ U.K

Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سیّد شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا

جذباتیت ہے یا حقیقت پسندی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

۱۳/اگست ۲۰۲۰ء بروز جمعرات عرب امارات نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات گانٹھنے کی غرض سے اُسے بطور ملک تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے، جس کو دیکھتے ہوئے ہمارے ملک میں بھی یہ بحث چل پڑی ہے کہ پاکستان کو اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرلینا چاہئیں یا نہیں؟ اس پر کچھ عرض کرنے سے پہلے عرب امارات معاہدے کے نکات پر نظر ڈال لینا چاہیے، جس کے مندرجات درج ذیل ہیں:

۱:- اسرائیل مقبوضہ غرب اردن کے مزید علاقے اسرائیل میں ضم کرنے کا منصوبہ معطل کردے گا۔

۲:- دونوں ممالک ایک دوسرے کے ملکوں میں اپنے اپنے سفارت خانے قائم کریں گے۔

۳:- سیکورٹی، توانائی، ٹیکنالوجی اور دیگر شعبوں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔

۴:- دونوں ممالک میں براہِ راست پروازیں چلائی جائیں گی۔

۵:- متحدہ عرب امارات باقی مسلم ممالک کو بھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے لئے تیار کرے گا۔

۶:- اسرائیل سے امن معاہدے کرنے والے ممالک کے مسلمان مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھ سکیں گے۔

اس معاہدے پر تبصرہ اور گزارشات سے پہلے اسرائیل کے قیام کے پس منظر کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ صہیونیوں کا مکمل خفیہ منصوبہ ہے کہ ساری غیر یہودی دنیا کو اپنا غلام بنالیا جائے۔ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کو اپنی عمل داری میں شامل کیا جائے۔ مسجدِ اقصیٰ کو تباہ کرکے اسی مقام پر ہیکل دوبارہ تعمیر کیا جائے۔ ایک عظیم عالمی حکومت قائم کی جائے اور زمین پر یہودیت کے سوا کسی دوسرے مذہب کو زندہ باقی نہ رہنے دیا جائے۔ انہی مقاصد کے لئے انہوں نے عیسائیوں کے درمیان دو جنگیں کرائیں، سلطنتِ عثمانیہ کو تار تار کردیا، عیسائیوں کو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دو فرقوں میں تقسیم کرایا، دنیا کی معیشت کو اپنی مٹھی میں جکڑا اور عیسائی قوم کو ناکارہ بنانے کی خاطر کھلی بے حیائی اور شہوت کو ان کے مردوں اور عورتوں کے لئے پسندیدہ ترین مشغلہ بنایا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: یہودیت اور نصرانیت کی آپس میں چپقلش، لڑائی اور تصادم ایک طویل عرصہ تک رہا ہے، وہ اس لئے کہ یہودیوں نے اپنے تئیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے، حتیٰ کہ بزعمِ یہود اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا۔

اس بنا پر عیسائی ہمیشہ یہودیوں کے دشمن رہے۔ طیطس رومی بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے تقریباً پون صدی بعد بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کو نکال دیا تھا، ان کا معبد ختم کر کے ان کے داخلہ پر پابندی لگادی تھی حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے قبلہ اول کو فتح کیا اور عیسائی پادریوں نے اس کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالہ کیں اور اس وقت جو دستاویز تیار کی گئی، اس میں بطور خاص عیسائیوں نے یہ شرط لکھوائی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کا حق حاصل نہیں ہوگا، وہ یہاں پر کوئی پراپرٹی نہیں خرید سکیں گے، کوئی مکان نہیں بنا سکیں گے، بس مقاماتِ متبرکہ کی زیارت کریں گے اور واپس چلے جائیں گے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

یہودی جلاوطنی کے دور میں دنیا کے مختلف ممالک میں منتشر رہے، جلاوطنی کے اس دور میں یہودیوں نے اولاً اسلامی اندلس میں پناہ لی، جہاں جا کر انہیں کچھ چین اور آرام نصیب ہوا۔ اسپین پر جب اسلامی حکومت تھی اور وہ علم وعرفان کا مرکز کہلاتا تھا تو ہر طرف سے لوگ وہاں علم حاصل کرنے آتے تھے، حصولِ علم کے لئے اسپین آنے والوں میں عیسائی بھی تھے، جن کو یہودیوں نے آزاد خیالی اور حریتِ فکر کے نام پر بائبل سے برگشتہ کرنا شروع کردیا اور ان خیالات کے ذریعہ عیسائیت میں تفرقہ پیدا کیا، چنانچہ عیسائیوں کے دو فرقے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ بن گئے۔ کیتھولک میں پوپ کی حیثیت ایک دینی سربراہ کی ہے، جو اپنی قوم کی راہنمائی کرتا ہے اور قوم اس کی باتوں کو لیتی اور اس پر عمل کرتی ہے، جبکہ پروٹسٹنٹ فرقہ آزاد خیالی کا علم بردار اور حقوقِ انسانی کا دعوے دار بن گیا، جس کے نتائج آج پورا یورپ اور مغرب بھگت رہا ہے۔

جب اندلس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو ان پر سخت تشدد کیا گیا اور وہاں سے بھی ان کو نکالا گیا، یہی وہ زمانہ تھا جب نئی دنیا امریکہ دریافت ہوا تو یہودیوں کو وہاں جانے کا موقع ملا اور دوسری طرف عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے کے حامیوں نے بھی جن کو یہودیوں نے اپنی سازشوں سے دینِ عیسوی سے برگشتہ کیا ہوا تھا، امریکہ کی جانب رُخ کیا، عیسائیوں کا یہی فرقہ آج تک امریکہ میں غالب اکثریت میں چلا آرہا ہے اور اسی فرقہ نے پوپ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ: ہر ایک کو کتابِ مقدس براہِ راست پڑھنے کا حق حاصل ہے۔ کتاب سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں پوپ کا کوئی کردار نہیں۔ اس تحریک کا بانی مارٹن لوتھر ہے، جس نے کتابِ مقدس کا ترجمہ انگریزی اور جرمنی زبان میں کیا، اس کی تحریک کے اثر سے کلیسا کے کردار سے برگشتہ عیسائیوں نے بھی یہ کہنا شروع کردیا کہ فلسطین یہودیوں کی سرزمین ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عرب قبائل تقریباً تین ہزار سال سے یہاں آباد ہیں، اور یہودیوں کو بہت کم یہاں رہنا نصیب ہوا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ فلسطین یہودیوں کی زمین ہے، یہ اہلِ فلسطین اور عرب قبائل کے حق میں بہت بڑی ناانصافی اور ظلم ہے۔

یہود نے عیسائیوں کو اپنے حق میں رام کرنے اور اپنا ہم نوا بنانے کے لئے چند ایک اقدامات کیے، جن میں یہودیوں نے اپنے مکر وفریب، چالاکی ودھوکا بازی اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی ناسمجھی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہیں اپنا یوں ہم نوا بنالیا کہ ہم ایک کتابِ مقدس یعنی عہد نامہ قدیم (جو تورات کے نام سے منسوب ہے) اور عہد نامہ جدید (جو اناجیلِ اربعہ پر مشتمل ہے) کے ماننے والے ہیں اور ہم دونوں گویا ایک ہیں۔

۲:- یہودیوں نے عیسائیوں کو باور کرایا کہ ہم ایک مسیح کی آمد کے منتظر ہیں، جو آکر دنیا میں امن برپا کرے گا، (اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک امن برپا کرنے والے مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے، جن کا نزول قربِ قیامت آسمان سے ہوگا، نہ کہ یہودیوں کا مسیح ''دجال'' ہوگا، اور صحیح العقیدہ عیسائی بھی اس کو مانتے ہیں) لیکن نام نہاد عیسائیوں کی اکثریت یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملانے کی وجہ سے اسی مسیح (دجال) پر ایمان رکھتی ہے۔

۳:- یہودیوں نے عیسائی حکمرانوں پر غلبہ پانے کے لئے ایک اور چال چلی کہ عیسائیوں کے راہبوں اور پوپوں سے سود کی اجازت حاصل

کرنسی اور سود کے ذریعے اُن کی پوری معیشت پر چھا گئے۔آج تمام یورپی حکومتیں ان یہودی بینکرز کی مقروض ہیں۔ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ پہلے حکومتوں کو آپس میں لڑاتے،ان حکومتوں کو اسلحہ اور ہتھیار خریدنے کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی تو یہ اُن کو سود پر سرمایہ فراہم کرتے اور جب وہ ملک مقروض ہوجاتا تو اس ملک سے جو چاہتے منوا لیتے۔آج امریکہ اور پاکستان سمیت کئی ممالک اس یہود کے بچھائے ہوئے سودی جال میں پھنس چکے ہیں اور اس سودی لعنت میں گرفتار ہیں۔

۴:-یہود اور عیسائی دونوں اہلِ کتاب تو ہیں،مگر ان دونوں میں قدرِ مشترک اُمتِ محمدیہ (ﷺ) سے ان کا بغض وعناد اور حسد ہے جو اُن کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے،اسی لئے اسپین میں جب ان یہودیوں کو تحفظ حاصل ہوا تو انہوں نے عیسائیوں کی نفرت اور دشمنی کا رخ یہودیوں کی بجائے مسلمانوں کی طرف پھیر دیا،جس کے نتیجے میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے تین سو سال بعد عیسائیوں نے مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے صلیبی جنگیں شروع کردیں۔

بہرحال ایک عرصہ بعد عیسائیت اور یہودیت کا گٹھ جوڑ ہوگیا،جس کی بدولت یہودیت پس پردہ رہ کر عیسائیت کے نام لیواؤں سے ہر وہ کام کروا رہی ہے جو ان کے اپنے مفاد میں ہے،اس لئے کہ امریکہ ہو یا یورپ تمام کے تمام یہودیوں کے بینکوں اور ان کے اداروں کے مقروض اور مرہونِ منت ہیں،جس کی بنا پر وہ مجبورِ محض بن کر یہود کے کٹھ پتلی اور ان کے اشاروں پر چل رہے ہیں،حالانکہ پہلی جنگِ عظیم میں عالمِ عرب کے مسلمانوں نے اتحادیوں کا ساتھ دیا،لیکن ان سے کیے گئے وعدے سب ہوا میں تحلیل ہوگئے۔شام جو پہلے عثمانی خلافت کا ایک صوبہ تھا،اس کو تقسیم کرکے چار ملکوں اُردن،لبنان،سوریا اور فلسطین میں بانٹ دیا گیا۔حجاز اور جزیرۃ العرب کو بھی کئی ممالک میں تقسیم کردیا گیا۔ایک طرف عرب کے مسلمان دوستی گانٹھنے میں انگریزوں سے مل کر ان کے دشمنوں اور مخالفین سے برسرِ پیکار تھے اور دوسری طرف اہلِ عرب کے خلاف انگریزوں کے اشاروں سے اعلان بالفور پر عمل درآمد ہو رہا تھا۔

پہلی جنگِ عظیم میں ''اتحادی عصبیت'' اور دوسری جنگِ عظیم میں ''اقوامِ متحدہ کے منشور'' اور ''حقوقِ انسانی'' کے خوشنما نعروں کا راگ الاپا گیا، جس سال حقوقِ انسانی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا،ٹھیک اسی سال اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا،تاکہ دنیا پر ثابت کیا جائے کہ حقوقِ انسانی سے کیا مراد ہے؟اور ان کا مستحق کون ہے؟

بہرحال یہودیوں نے برطانیہ سے معاہدہ کرلیا اور برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ۱۹۱۶ء میں ''بالفور ڈیکلیریشن'' کے نام سے یہ اعلان کیا کہ سلطنتِ عظمیٰ برطانیہ ''فلسطین'' کو یہودیوں کا قومی وطن تسلیم کرتی ہے اور ان کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ جب بھی اُسے موقع ملا،وہ فلسطین میں یہودیوں کو آباد ہونے کا موقع فراہم کرے گی۔

جنگِ عظیم اول کے نتیجے میں کچھ علاقے فرانس کے قبضہ میں چلے گئے اور کچھ برطانیہ کے پاس آگئے،فلسطین کا علاقہ برطانیہ کے پاس آیا اور اس نے یہاں اپنا وائسرائے مقرر کیا اور اعلان کیا کہ یہودی جہاں بھی آباد ہیں،وہ یہاں آکر آباد ہوسکتے ہیں اور پھر جب یہودی اس حد تک یہاں آباد ہوگئے کہ ایک علاقہ ان کے لئے ایک ریاست کے طور پر تسلیم کیا جاسکتا تھا تو ۱۹۴۵ء میں وہ اقوامِ متحدہ میں فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کے قیام کا کیس لے کر گئے،جسے منظور کرلیا گیا اور پھر برطانیہ اس علاقہ سے چلا گیا اور ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کا اعلان کردیا گیا۔

....

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قراردادِ تقسیم منظور کرتے ہوئے ساڑھے بارہ لاکھ فلسطینی عربوں کے لئے تو فلسطین کا ۴۵ فیصد رقبہ مخصوص کیا، مگر ۶ لاکھ یہودیوں کے لئے ۵۵ فیصد علاقہ دے دیا۔ ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے دوران اسرائیل نے فلسطین کے ۷۵ فیصد رقبہ پر قبضہ کرلیا اور پھر دوسری عرب اسرائیل جنگ ۱۹۷۳ء میں پورا فلسطین اور بیت المقدس یہودیوں کے تسلّط میں آ گیا۔ آج کا اسرائیل ۱۹۴۸ء کے اسرائیل سے تین گنا بڑا ہے اور وہ اپنی ریاست کی جغرافیائی سرحدات اور حدودِ اربعہ کا قائل ہی نہیں ہے۔ اسرائیل محض فلسطینی علاقوں پر غاصبانہ اور ناجائز قبضہ کرنے پر قانع نہیں ہے، بلکہ اسرائیل کی اپنی پارلیمنٹ میں صہیونی عزائم پر مشتمل جو ''عظیم تر اسرائیل'' کا نقشہ ہے، اس میں اُردن، مصر، شام، عراق، سوڈان اور آدھا سعودی عرب جس میں مدینہ منورہ بھی ہے، شامل ہے، یہ سارا علاقہ اسرائیل اپنی گرفت میں لینے کا منصوبہ رکھتا ہے۔

عالمِ اسلام نے اس تقسیم کو بالکل قبول نہیں کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے اصل باشندوں کو ان کی زمین سے محروم کرکے وہ زمین یہود کو دے دی گئی، دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مقامی اور اصل حق داروں کو بے دخل کرکے ان کے علاقے پر مختلف ملکوں سے آنے والوں کو بسا دیا جائے، اور پھر اُن کی ریاست بھی قائم کردی جائے۔

۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے مصر کے صحرائے سینا، شام کی گولان کی پہاڑیاں اور بیت المقدس کے علاقہ پر قبضہ کرلیا، جو کہ اس وقت اُردن کے پاس تھا۔ اقوامِ متحدہ نے ۱۹۶۷ء کے بعد اسرائیل کے قبضہ شدہ علاقہ پر اس کے حق کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی ابھی تک یہ قراردادیں چلی آرہی ہیں کہ اسرائیل کو ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن میں چلے جانا چاہیے، کیونکہ یہ بین الاقوامی قانون ہے کہ کوئی ملک کسی ملک کی زمین کو طاقت کی بنیاد پر قبضے میں نہیں لے سکتا۔

اس کے بعد کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ ہوا، جس میں عربوں سے کہا گیا کہ آپ اسرائیل کو تسلیم کرلیں تو اسے ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر جانے کے لئے ہم مجبور کرسکتے ہیں، جس کے نتیجے میں مصر، شام اور چند دیگر عرب ممالک نے اسے تسلیم کیا، لیکن آج تک اقوامِ متحدہ اسرائیل سے یہ علاقے آزاد کرانے اور اسے ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر لے جانے میں ناکام رہی۔ اور بتانے والے بتاتے ہیں کہ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں: ''اے اسرائیل! تیری حدیں نیل سے فرات تک ہیں۔'' یہودی پروٹوکول کے مطابق یہودی ریاست اپنے سفارتی تعلقات میں کسی معاہدہ کی پابند نہیں رہ سکتی۔ ہاں! دوسرا اگر کوئی عہد کی خلاف ورزی کرے تو وہ اُسے سزا دے سکتی ہے، بلکہ یہودی ریاست اپنے طے شدہ منصوبہ کے مطابق اپنے مفادات کی راہ میں آنے والے تمام پڑوسی ممالک پر جنگ بھی مسلط کرسکتی ہے۔

اس عرب امارات اور اسرائیل معاہدہ پر سب سے جرأت مندانہ بیان عمان کے مفتی صاحب کا سامنے آیا کہ مسجدِ اقصیٰ اور فلسطین کی آزادی اُمتِ مسلمہ پر واجب ہے۔ اگر کوئی اس واجب کو پورا نہیں کرسکتا تو اُسے خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے۔ اللہ کا کوئی بندہ اُٹھے گا اور اس ذمہ داری کو پورا کرے گا، مگر کسی حال میں بھی کسی کو اس واجب کو کمزور کرنے والے کسی اقدام یا مسجدِ اقصیٰ کی سودے بازی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ظاہر ہے عرب امارات کے اس فیصلے سے قضیہ فلسطین کمزور ہوجائے گا۔

اب اس معاہدے کی شق اول میں ہی دیکھ لیا جائے جس میں لکھا ہے کہ: ''اسرائیل مقبوضہ غرب اُردن کے مزید علاقے اسرائیل میں ضم کرنے کا منصوبہ معطل کردے گا۔''

یعنی اسرائیل مزید علاقے بھی اپنے اندر لینے کا منصوبہ رکھتا ہے، جو وقت پر پورا کرے گا اور فی الحال کچھ وقت کے لئے اسے معطل اور مؤخر کرے گا۔ کیا صاحب بصیرت لوگوں کی اس سے آنکھیں نہیں کھل جانی چاہئیں؟ اور کیا یہ عظیم تر اسرائیل کی طرف پیش قدمی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور مزید یہ کہ اس معاہدہ کی شق نمبر۵ میں کہا گیا کہ:

''متحدہ عرب امارات باقی مسلم ممالک کو بھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے لئے تیار کرے گا۔''

گویا اب عرب امارات اس کے بے دام خادم اور ملازم کی حیثیت سے دوسرے ممالک کو بھی اسرائیل کے ماننے کی طرف مائل اور آمادہ کرے گا۔ افسوس ہے ان حضرات کی سوچ اور فکر پر جو ایسے معاہدہ پر آنکھیں بند کر کے دستخط کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

معاہدہ کی شق نمبر۶ میں کہا گیا کہ:

''اسرائیل سے امن معاہدہ کرنے والے ممالک کے مسلمان مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ سکیں گے۔''

مطلب یہ کہ اول اسرائیل کے وجود کو بطور ملک دنیا کے تمام مسلمان تسلیم کر لیں۔ ۲:- تمام مسلم ممالک بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ سے دست بردار ہو جائیں اور اس کا قبضہ یہودیوں کو دے دیں۔ ۳:- یہ کہ مسلمانوں کو بھی صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی اور کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ۴:- دوسرے مسلمانوں کے علاوہ بطور خاص جو فلسطینی باشندے اپنے ملک فلسطین کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں قربانیاں دے رہے ہیں، وہ بیت المقدس کی تولیت تو کجا ان کو اس میں نماز پڑھنے کا بھی حق نہیں ہوگا۔ یہ کیسا معاہدہ ہے جو فلسطین کے حقیقی وارثوں اور باشندوں کو ان کے ملک سے بے دخل اور روحانی مرکز سے محروم کر رہا ہے۔

اب اسرائیل عرب ممالک کو ''ایران'' کا ڈراؤنا خواب دکھا کر اپنے حق میں رام کرنے میں لگا ہوا ہے، جس کے نتیجے میں ایک ایک عرب ملک اپنی اپنی حکومتوں اور ریاستوں کو خطرے میں جاتا دیکھ کر اسرائیل کی آغوش میں پناہ لینے میں لگے ہوئے ہیں۔ آج عرب امارات ہے، کل کوئی دوسرا ملک ہوگا، پرسوں تیسرا ملک ہوگا، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ یہودی اور عیسائی گٹھ جوڑ صرف کسی ایک ملک کے خلاف نہیں، بلکہ یہ تو اُمتِ مسلمہ کے وجود کے خلاف ہیں۔

....

اب اہلِ پاکستان کو کیا اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے اور اس سے سفارتی تعلقات قائم کر لینے چاہئیں یا اس پر کچھ اور موقف ہے؟ اس کے لئے عرض ہے کہ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ: ''اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے اور یہ مسلمانوں کے دل میں خنجر گھونپنے والی بات ہے، جسے ہم تسلیم نہیں کریں گے۔''

۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوامِ متحدہ نے فلسطین کی تقسیم کی قرارداد منظور کی تو قائداعظم نے ۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو امریکی صدر ٹرومین کے نام خط بھیجا اور اقوامِ متحدہ کی قرارداد پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ فلسطین کے متعلق اپنی پالیسی پر نظرثانی کریں۔

اسی طرح علامہ اقبالؒ نے ۳ جولائی ۱۹۳۷ء کو ایک بیان جاری کیا، جس میں فلسطین کی تقسیم کو مسترد کرتے ہوئے عربوں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے بادشاہوں پر اعتماد نہ کریں، کیونکہ یہ بادشاہ فلسطین پر کوئی درست فیصلہ کرنے کے قابل نہیں۔ (بحوالہ مکاتیبِ اقبال، مرتب شیخ عطاء اللہ)

(باقی صفحہ 25 پر)

حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

مغرب کے علمبرداروں اور نام نہاد روشن خیالوں کے مطابق یہ صدی حق طلبی اور ظلم کشی کے حوالے سے جدوجہد اور انقلاب کی صدی ہے۔ آج ہر طرف حقوق وفرائض کے لئے آواز بلند کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ہر طبقہ، ہر جماعت اور ہر فرد اپنے حقوق کی بازیابی اور بحالی کے لئے سراپا احتجاج ہے۔ کہیں انسانی حقوق کی پامالی پر شوروغوغا ہے تو کہیں حقوق نسواں کے نام پر آزادیٔ نسواں کے علم برداروں کا عجیب و غریب مطالبہ۔

حد تو یہ ہے کہ امریکہ جیسی ترقی یافتہ اور آزاد ریاست میں بھی حقوق کے حوالے سے مختلف تنظیمیں قائم ہیں۔ خود اقوام متحدہ کی جانب سے سال بھر مختلف عناوین سمیت انسانی حقوق کے تحفظ کا عالمی دن منایا جاتا ہے اور اب تو مشرقی ممالک بھی روایتی انداز کے ان تماشوں میں مغرب کے شانہ بہ شانہ برابر کے شریک ہیں؛ لیکن ان سب کے علی الرغم بحیثیت مسلمان کبھی ہم نے اس بات پر غور کیا کہ اس محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر کیا حقوق ہیں جس نے نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا، مظلوم و بے بس عورتوں کو حقوق و مراعات سے نوازا، جس نے آداب زندگی بھی سکھائے اور اصول بندگی سے بھی آگاہ کیا، جس نے غلاموں، مزدوروں اور غریبوں سمیت جانوروں کو بھی وہ تحفظات عطا کیے؛ جس کی نظیر پیش کرنی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم انہیں کے نام لیوا، سپاس گزار اور منت کش ہوتے ہوئے ان کی ذات والا صفات کو فراموش کر بیٹھے، ان کی تعلیمات وہدایات کو بھلا بیٹھے ان کے مشن اور مقصد کو گنوا بیٹھے۔ نہ ہمیں ان کے نام کا پاس رہا نہ نسبت کا لحاظ۔ نہ ان کی قربانیاں یاد رہیں نہ جاں نثاریوں کا خیال۔ المیہ یہ ہے کہ ہم رنگینیٔ حیات اور فانی زندگی کے حصار سے باہر نہ آسکے، اپنے بندھے ٹکے نظام العمل سے وقت نہ پاسکے، اپنی روزمرہ مصروفیات سے دامن نہ چھڑا سکے۔

ایک طرف وہ ہستی تھی جو اشاعتِ دین و تبلیغِ اسلام کے لئے اپنا وجود گھلاتی رہی، ظلم پر ظلم سہتی رہی، دکھ پر دکھ اٹھاتی رہی، رب کریم کے حضور راتوں رات روتی اور گڑگڑاتی رہی اور امت کی ہدایت کیلئے پورے سوز و گداز اور تڑپ و کڑھن کے ساتھ مدت العمر مصروف عمل رہی۔ بالآخر فرض منصبی کی تکمیل کے بعد دنیا سے رخصت ہوگئی اور دوسری طرف ہماری حالت زار ہے۔ آج امت کے کتنے افراد ہیں، جنہیں نبی کا گھرانہ اور خانوادہ معلوم ہے نہ خلفاء اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کارنامے۔ کتنے ایسے ہیں جو بنات طاہرات کے نام جانتے ہیں نہ ازواج مطہرات کی صحیح تعداد؛ بلکہ بہت سے تیرہ بخت و بدقسمت ایسے بھی ہیں جنہیں کلمۂ طیبہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی یاد نہیں۔

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

المختصر: آج کی صحبت میں مناسب محسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق وآداب سے متعلق کچھ اہم معروضات پیش کیے جائیں؛ تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ انسانیت کے سب سے عظیم محسن اور ہمارے رہبر کامل کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟

پہلا حق: آپ پر ایمان:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت جب دلائل بیّنہ، آیات واضحہ اور معجزات ظاہرہ کے ذریعہ ثابت ہوچکی ہے تو قیامت تک آنے والی انسانیت پر لازم ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور بلاریب ان تمام احکام کی تصدیق کرے؛ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے (خواہ بطریق وحی جلی، خواہ بطریق وحی خفی)۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات کو ماننا اور بہ سروچشم انہیں قبول کرنا ہر امتی پر فرض ولازم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ”تم اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کے نور پر جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ! اور وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔“ (التغابن)

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

”آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم

سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تاکہ تم راہ پر آجاؤ! (الاعراف)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت کا کوئی بھی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی، میرے بارے میں سن لیتا ہے پھر مر جاتا ہے اور میری لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتا تو وہ جہنمی ہے۔“ (مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے مفہوم میں چار چیزیں داخل ہیں:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خبروں کی تصدیق کرنا۔

2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کا حکم دیں اس میں آپ کی اطاعت کرنا اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جانا۔

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق اللہ کی عبادت کرنا۔

اگر کوئی شخص آپ کو رسول نہیں مانتا یا آپ کی بعض تعلیمات کا انکار کرتا ہے یا آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوتاہ ہے تو وہ عنداللہ ظالم اور حق تلفی کرنے والا ہے۔

دوسرا حق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت:

آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے ساتھ ساتھ آپ سے محبت وعقیدت رکھنا بھی لازم وضروری ہے اور یہ محبت دنیا کی تمام محبوب چیزوں سے حتی کہ اپنی عزیز جان سے بھی بڑھ کر ہونی چاہئے۔ جب تک کوئی شخص اس معیار پر پورا نہ اترے، اس کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔“

(بخاری)

بالکل یہی مضمون قرآن مجید کی اس آیت میں بھی موجود ہے، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جسے تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے، اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (التوبہ:24)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ اسے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے نزدیک میری ذات کے بعد سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بخدا تمہارا ایمان تب تک کامل نہیں ہے جب تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب آپ میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اب ایمان کامل ہے۔

مگر یاد رہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے ”محبت“ اور ایک ہے ”دعویٰ محبت“، محض دعویٰ محبت، ثبوتِ محبت کے لئے کافی نہیں ہوجاتا، جب تک کہ اس کی دلیل یا کم از کم اس کی علامت نہ پائی جائے؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے کہ:

1: زندگی کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔

2: کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا جائے۔

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا قید زمان و مکان کثرت سے یاد کیا جائے۔

4: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کی تمنا کی جائے۔

5: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب چیزوں اور شخصیات سے محبت کی جائے۔

تیسرا حق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر بھی آپ کے حقوق میں داخل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”بے شک ہم نے تمہیں بھیجا

گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرو۔‘‘ (الفتح)

ایک اور موقع پر اہلِ ایمان سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا:

ترجمہ: ’’اے مومنو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزمالئے ہیں، ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘ (الحجرات)

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں (واقعہ حدیبیہ کے موقع پر) عروہ بن مسعود کفار کی طرف سے وکیل بن کر بارگاہِ رسالت میں آئے، وہ وہاں پر صحابہ کرام کے جذبۂ عشق ومحبت اور معمولاتِ ادب وتعظیم کا مشاہدہ کرتے رہے۔ اس کے بعد جب اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گئے تو ان سے کہنے لگے: ’’اے میری قوم! اللہ رب العزت کی قسم میں بڑے بڑے عظیم المرتبت بادشاہوں کے دربار میں وفد لے کر گیا ہوں، مجھے قیصر روم، کسریٰ ایران اور نجاشی حبشہ جیسے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب آپ تھوکتے ہیں، تو ان کا لعاب دہن کسی نا کسی شخص کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے، جس سے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مَل لیتا ہے، جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بلا توقف تعمیل کی جاتی ہے، جب وہ وضو فرماتے ہیں یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ لوگ وضو کا استعمال شدہ پانی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے، آپ کے رفقاء، آپ کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو انتہائی پست رکھتے ہیں اور غایت تعظیم کی وجہ سے آپ کے چہرے کی طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتے۔‘‘ (بخاری، احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ آپ کی قدر ومنزلت کے تعیین میں حد سے تجاوز نہ ہو۔ اس طور پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبدیت ورسالت کے رتبے سے آگے بڑھا دیا جائے اور کچھ الٰہی خصائص آپ کی طرف منسوب کر دیئے جائیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر میں یہ بھی داخل ہے کہ:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و حدیث کی تعظیم کی جائے۔

2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی تعظیم کی جائے۔

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں اور شخصیات کا حکم دیا ہے انکی تعظیم کی جائے۔

ان تین بنیادی حقوق کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم حق یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی جان ومال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور آپ کی طرف سے بھر پور دفاع کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع میں درج ذیل تین امور داخل ہیں:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنت کی طرف سے دفاع۔

2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف سے دفاع۔

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے دفاع۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی احادیث پر جس نوعیت کے اعتراضات کئے جائیں، ان تمام اعتراضات کا اسی زاویہ نگاہ سے جواب دیا جائے۔ مثال کے طور پر آپ کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے مستشرقین، منکرین حدیث اور دیگر غیر مسلم اہل قلم نے قلم اٹھایا ہے اور دریدہ دہنی کی ہے، اسی علمی نوعیت کے ساتھ مسلمان اہل قلم اپنے علمی وفکری لٹریچر کے ذریعے ان لوگوں کے طعن وتشنیع کا مدلل جواب دیں۔ اسلامی مبلغین کو چاہئے کہ اپنے بیانات اور خطابات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ہونے والے اعتراضات اور اس پر کی جانے والی غلط بیانیوں کا واضح طور پر جواب دیں اور اہل ایمان کو ان کے فرسودہ عزائم سے آگاہ رکھیں۔

حق تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نسبت عطا فرمائے اور آپ کے حقوق کو ادا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

ماہِ صفر میں رائج توہمات!

مرسلہ: حافظ محمد سعید لدھیانوی

دین اسلام ایک نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذہب ہے اور یہی وہ فطری دین ہے۔ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لئے ایک جامع دستور العمل اور مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے؛ اس کے احکام، آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن اور ماہتاب شب افروز سے زیادہ واضح ہیں؛ اس کی تعلیمات نہایت عمدہ، صاف اور صلاح وفلاح کی ضامن ہیں۔ بنیادی طور پر دین اسلام دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) عقیدہ (۲) عمل اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ وہ صحیح عقیدہ اور عمل ہی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ومعتبر ہے جس کی شریعت نے تعلیم دی ہے اور اس عقیدہ وعمل کا کوئی اعتبار نہیں جو کلی یا جزئی طور پر دین اسلام کی تعلیمات کے مغایر ومخالف ہے۔

موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات سے دوری اور بے توجہی عام ہوتی جارہی ہے؛ جس کا لازمی نتیجہ عقیدہ وعمل میں خرابی اور بگاڑ کی شکل میں رونما ہورہا ہے اور اسی کا ایک حصہ بدشگونی، توہم پرستی اور خود ساختہ فاسد خیالات ونظریات بھی ہیں، اس سلسلہ میں بعض مروجہ اعمال وافکار اور رسوم ورواج اس طرح لوگوں کے دلوں میں رچ بس گئے ہیں کہ اگر اس قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر توکل اور اس کی قدرت کاملہ کا یقین اور تقدیر پر ایمان دلوں میں راسخ ہوجائے تو دارین کی سعادت مندی نصیب ہوجائے؛ من جملہ ان فاسد عقائد کے کچھ وہ جاہلانہ توہمات بھی ہیں جو ماہ صفر سے متعلق معاشرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

صفر اسلامی کیلنڈر کا دوسرا مہینہ ہے جس کے بارے میں لوگوں کے درمیان بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ جہاں ایک طرف اس کے ساتھ بہت سی توہمات اور بدشگونیاں وابستہ کر لی گئی ہیں، وہیں دوسری طرف ان کے خود ساختہ حل بھی تلاش کر لئے گئے ہیں، صفر کا مہینہ اسلام سے پہلے بھی منحوس سمجھا جاتا تھا؛ لیکن اسلام نے نیک فالی کے طور پر اسے صفر الخیر یا صفر المظفر (بھلائی اور کامیابی کا مہینہ) کا نام دیا۔

صفر کے معنی اور وجہ تسمیہ:

عربوں کے ہاں چار مہینے حرمت کے تھے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان مہینوں میں وہ ہر قسم کے جنگ وجدل سے باز رہتے اور اس انتظار میں ہوتے کہ جیسے ہی یہ حرمت والے مہینے ختم ہوں تو وہ لوٹ مار کا بازار گرم کریں؛ لہٰذا صفر شروع ہوتے ہی وہ قتل وغارت گری، لوٹ مار و رہزنی اور جنگ وجدل کے ارادے سے گھروں سے نکلتے؛ جس کے نتیجے میں ان کے گھر خالی ہو جاتے۔ اس طرح عربی میں یہ محاورہ "صفر المکان" (گھر کا خالی ہونا) مشہور ہوگیا چنانچہ معروف محدث اور تاریخ داں علامہ سخاوی نے اپنی کتاب "المشھور فی اسماء الایام و الشھور" میں صفر کے مہینے کی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے، نیز صفر کو صفر اس لئے بھی کہتے ہیں کہ لگاتار حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد باشندگان مکہ جب سفر کرتے تھے تو سارا مکہ خالی ہوجاتا تھا۔

(لسان العرب لابن منظور)

ماہ صفر میں رائج خرافات:

(1) کچھ لوگ ماہ صفر اور خصوصاً اس کے ابتدائی تیرہ دن...... جنھیں تیرہ تیزی سے موسوم کیا جاتا ہے...... کو منحوس جانتے ہیں اور ان میں آفات و بلیات اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعضوں نے سینکڑوں کی تعداد میں آفات وبلیات کے نزول کی اور ماہ صفر کے منحوس ہونے کی بے اصل اور من گھڑت روایات بھی نقل کرلی ہیں۔

(2) اس ماہ میں نہ رشتہ تلاش کیا جاتا ہے، نہ شادی بیاہ کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں؛ بلکہ جن کی شادی ہوچکی ہوتی ہے، ابتداء میں ان شوہر اور بیوی کو تیرہ دن تک جدا رکھا جاتا ہے اس نظریہ سے کہ ان ایام میں ان کا میل جول آپس میں کشیدگی اور نزاع کا باعث ہوگا۔

(3) اس ماہ میں سفر نہیں کیا جاتا اور کسی نئے کام کا آغاز مثلاً دکان یا مکان کی افتتاح وغیرہ نہیں کی جاتی؛ اس بنا پر کہ اس ماہ کی نحوست کی وجہ

سے یہ سب کام باعث خیر نہ ہوں گے۔

(4) تیرہویں تاریخ کی صبح کو تیرہ تیزی کی مخصوص خیرات، آفات وبلیات سے حفاظت کے لئے بطور صدقہ فقراء میں تقسیم کردی جاتی ہے۔

(5) ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو اہل خانہ کے ساتھ سیر وتفریح کی جاتی ہے؛ جس کا نظریہ یہ ہے کہ اس روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا اور تفریح فرمائی تھی۔

یہ تمام کے تمام جاہلانہ نظریات اور بے حقیقت باتیں ہیں۔ شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ اگر ماہ صفر میں نحوست ہوتی یا یہ آفات و بلیات کا مہینہ ہوتا تو شریعت میں اس کا ضرور تذکرہ ہوتا اور اس سے حفاظت کے طریقے بھی بتائے جاتے؛ لیکن قرآن وحدیث میں کہیں بھی ایسی تصریح نہیں؛ بلکہ اس کے برعکس صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث کی سینکڑوں روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماہ صفر میں قطعاً کوئی نحوست نہیں ہے۔ دین اسلام نے کبھی کسی مہینہ اور کسی دن کو منحوس قرار نہیں دیا؛ لھذا کوئی وقت برکت والا اور عظمت وفضیلت والا تو ہوسکتا ہے جیسے ماہ محرم، ماہ رمضان، سال کے متبرک شب وروز اور جمعہ کی ساعت اجابت (قبولیت کی گھڑی) وغیرہ؛ لیکن نحوست والا قطعی نہیں ہوسکتا، اور ماہ صفر میں انجام دیئے جانے والے یہ تمام امور اور اس سے متعلق نظریات خود ساختہ اور ایجاد بندہ کی قبیل سے ہیں۔ اب رہا آخری چہار شنبہ سے متعلق نظریہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحت یاب نہیں ہوئے؛ بلکہ مرض الموت (جس میں آپ تیرہ دن تک بیمار رہے) کی ابتدا اس دن سے یعنی ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ سے ہوئی جو بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا۔ لہٰذا یہ آپ کے مرض وفات کے آغاز کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

چنانچہ مفتی عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’مسلمانوں کے لئے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ ’’شمس التواریخ‘‘ وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ صفر سہ شنبہ کو اُسامہ بن زیدؓ امیرِ لشکر مقرر کئے گئے، ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوچکے تھے؛ لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اُسامہ کو دیا تھا، ابھی (لشکر کے) کوچ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آخر چہار شنبہ اور پنج شنبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ نے حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ) اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ صفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لئے تو خوشی کا ہے ہی نہیں؛ البتہ یہود وغیرہ کے لئے شادمانی کا ہوسکتا ہے، اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا، خوشیاں منانا وغیرہ، یہ تمام باتیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں۔‘‘ (فتاویٰ حقانیہ، کتاب البدعۃ والرسوم وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، ما یتعلق بالسنن والبدعۃ، دارالاشاعت)

لمحۂ فکریہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے آغاز پر یہود کا جشن کے طور پر آخری چہار شنبہ منانا تو ان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے ظاہر اور واضح ہے؛ لیکن اہل اسلام اس امر میں غور کریں کہ وہ آخری چہار شنبہ کی اس یہودیانہ رسم کو اپنا کر کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کا جشن منانے میں صورتاً یہود کی موافقت تو نہیں کر رہے ہیں؟ (اللہ ہماری حفاظت فرمائے)۔

ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کی تردید:

اس مہینے کے تعلق سے لوگوں میں جو درج بالا رسومات رواج پاچکے ہیں ان کی تردید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آنے جابہ جا متعدد احادیث میں فرمائی ہے، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی بیماری متعدی نہیں اور نہ ہی بدشگونی لینا جائز ہے، نہ اُلو کی نحوست یا روح کی پکار کوئی چیز ہے اور نہ ماہ صفر میں نحوست ہوتی ہے۔ (بخاری) ایک اور روایت میں ہے:

(۲) کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شرک ہے، کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شرک ہے۔ (رواہ ابوداؤد) سنن ابوداؤد کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ: جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بدشگونی (کسی چیز کو منحوس سمجھنا) نفع لاتی ہے یا نقصان دور کرتی ہے چنانچہ جب انھوں نے اسی اعتقاد کے مطابق عمل کیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکِ خفی کا ارتکاب کیا۔ (۳) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: جو شخص بدشگونی کے ڈر کی وجہ سے اپنے کسی کام سے رک گیا یقیناً اس نے شرک (اصغر) کا ارتکاب کیا۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک واقعہ پیش آیا۔ مصر میں زمانہ جاہلیت

سے یہ تصور عام تھا کہ سال میں ایک مرتبہ دریائے نیل میں ایک کنواری خوبصورت لڑکی کو ڈال دیا جاتا، اس عمل کو باشندگان مصر اس لئے انجام دیتے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو دریائے نیل ٹھہر جائے گا اور سارا پانی ختم ہو جائے گا، کچھ تجربات کی وجہ سے ان کا اعتقاد بھی اس سلسلہ میں مضبوط ہو گیا تھا، جب اسلام اس سرزمین پر پہنچا اور حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مقرر کئے گئے تو یہی صورت حال پیش آئی، لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور اپنی سابقہ روایات کا تذکرہ کیا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایسا نہیں کیا جائے گا، پھر آپ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور حالات سے واقف کروایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چٹھی لکھی اور کہا کہ اسے دریائے نیل میں ڈال دیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس چٹھی کو دریائے نیل میں ڈال دیا، پانی پوری روانی کے ساتھ بہنا شروع ہو گیا اور سارے لوگ حیران تھے۔ اس چٹھی میں حضرت عمر فاروقؓ نے لکھا تھا کہ: یہ خط اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام: اما بعد! اگر تو اپنی طرف سے جاری ہوتا تھا تو اب مت ہو اور اگر اللہ واحد وقہار نے تجھ کو جاری کیا تو ہم اسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو جاری کر دے۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی:114)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت کے ایک غلط دستور اور رواج کا نہ صرف خاتمہ فرمایا بلکہ اسلام کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھی واضح فرما دیا۔

الغرض: ماہ وسال، شب وروز اور وقت کے ایک ایک لمحے کا خالق اللہ رب العزت ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی دن، مہینے یا گھڑی کو منحوس قرار نہیں دیا؛ بلکہ قرآن مجید میں اس کا صاف اعلان فرما دیا: ’’کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ ایک کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔‘‘ (سورۃ الحدید)

لہٰذا ایسے جاہلانہ خیالات جو غیر مسلم اقوام اور قبل از اسلام مشرکین کے ذریعے مسلمانوں میں داخل ہوئے ہیں ان سے بچنا از حد ضروری ہے آج یہی فاسد نظریات مسلم اقوام میں بھی دَر آئے ہیں، اس لئے ماہ صفر بالخصوص اس کی ابتدائی تاریخوں کو منحوس سمجھنا سب جہالت کی باتیں ہیں، دین اسلام کے روشن صفحات ایسے توہمات سے پاک ہیں، کسی وقت کو منحوس سمجھنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں؛ بلکہ کسی دن یا کسی مہینہ کو منحوس کہنا درحقیقت اللہ رب العزت کے بنائے ہوئے زمانہ میں، جو شب وروز پر مشتمل ہے، نقص وعیب نکالنے کے مترادف ہے۔

سعادت ونحوست کا معیار!:

حقیقت یہ ہے کہ نحوست اور سعادت کا معیار انسان کا اپنا عمل ہے، ہر وہ نیک عمل جو خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا گیا ہو چاہے وہ سال کے کسی مہینے اور مہینے کے کسی روز وشب میں ہو، وہ مہینہ اور وہ زمانہ باسعادت ہے اسی طرح ہر برا عمل جسے انسان نے اپنی زندگی کے کسی بھی وقت انجام دیا ہو، وہ وقت اس کے لئے نحوست کا باعث ہے۔ بالفاظِ دیگر دین و شریعت کے احکامات وتعلیمات پر عمل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے، اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی باتوں اور سنتوں کا اہتمام والتزام کرنے نیز اوامر کے امتثال ونواہی سے اجتناب کی سعی کرنے میں جو وقت گزرتا ہے وہ وقت انسان کی نیک بختی وسعادت مندی، فلاح وظفر مندی اور فوز وکامرانی کا سبب بنتا ہے جو ہر مردِ مومن کے لئے اس کے ایمان کی تروتازگی اور نشوونما کا باعث ہے، اس کے برعکس خلافِ شریعت، ترکِ سنت، اور ارتکاب معصیت کی وجہ سے انسان پر غیر شعوری طریقے سے جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ اس کی زندگی میں قباحتوں اور نحوستوں کا احساس دلاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بعینہٖ اسی وقت کو منحوس سمجھنے لگتا ہے۔ مختصر یہ کہ صفر، سراپا خیر ہے صفر باظفر ہے، صفر نے غزوات کے سب سے پہلے غزوے، غزوۃ الابواء سے اسلام کو کامیابیاں بخشی ہے، صفر نے صحابہ کرام سابقین اولین کو جینے کا حوصلہ دیا ہے، سن ۴ ہجری ماہ صفر میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے اور ماہ صفر سن ۷ ہجری میں اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا ہے۔

اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم بدشگونی اور بدفالی کے اس عمل کو چھوڑ کر عزم و یقین، خلوص و نیک نیتی اور تقویٰ وللّٰہیت کے ذریعہ ماہِ صفر میں بلا تامل ہر وہ عمل کریں جو ہم شبانہ روز ماہ وسال کے دوران مختلف مواقع سے کرتے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہمیں عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆..................☆☆

سوشل میڈیا اور اس کے اثراتِ بد

مولانا محمد الیاس مدنی

سوشل میڈیا موجودہ زمانے میں یقیناً ایک اہم حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی دنیا میں اگر سوشل میڈیا کو خبر کا پہلا منبع قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اب خبری ٹی وی چینلوں اور اخبارات میں شائع ہونے سے پہلے ہی سوشل میڈیا پر نشر ہو چکی ہوتی ہے، جس نے اس کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا ہے، مگر بدقسمتی سے یہ پلیٹ فارم جھوٹ اور پروپیگنڈے کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہر طرح کا رطب و یابس اس کے ذریعے پھیلتا اور خلق خدا کی گمراہی کا سبب بنتا رہتا ہے۔ حالانکہ اسلام جھوٹ اور سنی سنائی بات آگے نقل کرنے سے روکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔‘‘

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے: ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو سنے دوسروں تک پہنچادے۔‘‘

جھوٹ و پروپیگنڈے کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا غیبت، الزام تراشی اور بہتان طرازی سمیت دیگر برائیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ بے حیائی کے پرچار، اخلاقی اقدار کا جنازہ نکالنے سمیت کون سی بُرائی ہے جس کے لئے سوشل میڈیا کو استعمال نہیں کیا جارہا۔ اس سب کے باوجود کسی کو پرواہی نہیں کہ ایک ایسی ذات بھی ہے جو ان پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ان کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور ایک دن آنے والا ہے جب ہر بات کا حساب لیا جائے گا۔ بایں ہمہ اس اہم میڈیا کو اشاعت دین، اسلام کے بارے میں پروپیگنڈے کے ازالے، سچائی کی ترویج اور تعلیم سمیت دیگر اچھے مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

گزشتہ دہائی کے دوران ایک چیز جو دنیا بھر میں لوگوں کی ذاتی زندگیوں، معاشرتی رویوں، حکومتی پالیسیوں اور سیاست پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی ہے وہ ہے سوشل میڈیا۔ عرب سپرنگ کے نام سے مشہور مشرق وسطیٰ میں اٹھنے والی عوامی تحریکوں سے لے کر روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی تک، شام کی خانہ جنگی سے نام نہاد شدت پسند تنظیم دولتِ اسلامیہ کے عروج و زوال تک اور امریکی انتخابات میں روسی مداخلت کے الزامات سے لے کر الحاد کے پرچار تک سب سوشل میڈیا کے ہی مرہون منت ہے۔

سوشل میڈیا پر ایک بڑی تعداد توہین مذہب جیسے سنگین جرم میں ملوث ہورہی ہے اور کوئی بھی سائنسی تحقیق یا تخلیق سامنے آتی ہے تو اسلام دشمنوں کی طرف سے اسے مذہب کے ساتھ جوڑنے اور تقابل پر کام شروع ہوجاتا ہے۔ دانستہ نادانستہ اور نتائج سے بے پرواہ ہوکر احکام شرعیہ کے بارے میں طنز و تشنیع کا بازار گرم کیا جاتا ہے اور پھر وہ ادھم مچ جاتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ مقدسات کی توہین کو آزادیٔ اظہار کے پُرکشش قالب میں ڈھال کر نسل نو کو گمراہی کے گڑھوں میں دھکیلا جارہا ہے۔

سوشال میڈیا پر آداب کی رعایت رکھے بغیر آزادانہ اظہار کے نتیجے میں فرقہ واریت بھی پھل پھول رہی ہے۔ بحیثیت شہری ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ اگر کوئی بھی شخص کسی بھی مسلک یا فرقہ کے لباس میں آکر کسی بھی مذہب یا مسلک کے مقدسات کی توہین کرتا ہے تو ہمیں اس توہین کرنے والے کو باقی مسلک اور مذہب والوں کے ساتھ برابر نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ یہ وہ آستین کا سانپ ہے جو تفرقہ انگیزی چاہتا ہے۔ متعلقہ اداروں کو بھی چاہئے کہ ایسے عناصر کو لگام ڈالی جائے، ان کے سوشل میڈیا کا اکاؤنٹس بند کردیے جائیں اور دوبارہ ایسی حرکت پر انہیں نشانِ عبرت بنایا جائے۔

سوشل میڈیا پر تیزی سے بڑھتی ہوئی ملحدین کی سرگرمیاں بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ پہلے

خدا، وحی، معجزات اور قیامت وغیرہ کے بارے میں کچھ ذہنوں کے اندر شکوک وشبہات کے بیج بو دیئے جاتے ہیں پھر دیگر عقائد کے بارے میں بھی اعتقاد متزلزل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مسلمانوں کی عقیدت کے مرجع سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدگمانی کا زہر انڈیل دیا جاتا ہے، جیسے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں اور باندیاں، تعداد ازواج، سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی بوقت نکاح عمر وغیرہ۔

کچے ذہن کے مسلمان بچے بچیوں کے لئے یہ باتیں نہایت پریشان کن ہوتی ہیں، خصوصاً ہماری مغرب زدہ نئی نسل خصوصاً جسے مناسب رہنمائی بھی میسر نہ ہو، جلد ہی اس فتنے کا شکار ہوجاتی ہے۔ عبادات سے لے کر معاملات و معاشرت تک اسلام کے ہر ہر حکم کو مغرب کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور انہیں ہم آہنگ نہ پاکر بالآخر ایمان جیسی قیمتی متاع سے محروم ہوجاتے ہیں۔ نسل نو کو اس فتنے سے بچانے کے لئے دعا، اہل علم وبزرگان دین کی صحبت، ان کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہایت ضروری ہے، اس کے ساتھ ساتھ انہیں سوشل میڈیا سے دور رکھا جائے یا ان کی بھرپور نگرانی کی جائے۔

سوشل میڈیا نے خانگی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ خانگی زندگی میں پوری دنیا پر عموماً اور مسلم معاشرے پر خصوصاً اس نے بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں بہت سی بُرائیوں نے جڑ پکڑلی ہے۔ غلط بیانی، مکر وفریب، بچوں کی پڑھائی پر عدم توجہ، بے خوابی بچوں کی جسمانی سرگرمیوں میں عدم دلچسپی، میاں بیوی کے مابین خانگی مسائل وغیرہ۔

آن لائن ہراساں اور بلیک میل کرنے کے واقعات بھی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ سخت سیکورٹی لگانے کے باوجود ذاتی معاملات، تصاویر اور ویڈیوز باہر آجاتی ہیں، جس کے نتیجے میں متاثرہ افراد کی زندگی اجیرن ہوکر رہ جاتی ہے۔ نوجوانوں پر ان تمام چیزوں کے منفی اثرات پڑتے ہیں۔ جیسے خودکشی، رسوائی، انتقامی کارروائی، جنسی بے راہ روی کا شکار ہونا وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سوشل میڈیا نے مَحرم اور غیر مُحرم کا فرق مٹا دیا۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے مہذب گھرانے کے افراد ان بیمایوں میں مبتلا ہیں۔ والدین بچوں کو جدید طرز کے آلات دلا کر بزعم خویش بری الذمہ ہوگئے ہیں۔ ماؤں کے پاس بھی اولاد کی اچھی تربیت کے لئے فرصت نہیں، کیونکہ وہ خود بھی ہمہ وقت اسی میں مشغول رہتی ہیں، یہ ہی حال کچھ میاں بیوی کے رشتے کا بھی ہے۔

مانا کہ موجودہ دور میں اس کی اہمیت ہے اور اس کا استعمال ترک کرنا تقریباً ناممکن ہوتا جارہا ہے مگر صحیح غلط کا فرق معلوم ہونا اور برتنے میں اعتدال بے حد ضروری ہے۔ کوئی بھی غلطی یا گناہ ہم ارادتاً نہیں کرتے۔ ابتدا میں وہ شغل ہی ہوتا ہے یا محض وقت گزاری۔ پھر رفتہ رفتہ وہ ہماری ضرورت بن جاتا ہے۔ سوشل میڈیا بظاہر نظر آنے والا یہ شغل ہماری نسلوں کو تباہ کررہا ہے۔ اس کے اثرات آپ موجودہ اور آنے والی نسلوں میں دیکھ سکیں گے، کیونکہ یہ وبا ہمارے معاشرے میں سرائیت کرچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ عافیت کا معاملہ فرمائے۔ (آمین)

☆☆..............☆☆

ختم نبوت آزادی امن واک

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع لکی مروت نے پاکستان کی آزادی کے موقع پر ۱۴/اگست ۲۰۲۰ء کو جامع مسجد مجیدی نورنگ سے ختم نبوت آزادی امن واک کے نام سے ریلی نکالی، جس کی قیادت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع لکی مروت کے ضلعی ناظم حضرت مولانا مفتی ضیاء اللہ، ناظم مالیات مولانا محمد ابراہیم ادہمی، ناظم دفتر مولانا ماسٹر عمر خان، ناظم تبلیغ مولانا محمد طیب طوفانی، ناظم نشرواشاعت صاحبزادہ امین اللہ جان اور مولانا شبیر احمد حقانی کررہے تھے۔ آزادی امن واک بازار نے مختلف شاہراہوں سے ہوتے ہوئے ختم نبوت چوک نورنگ میں بڑے جلسے کی صورت اختیار کرلی گئی ختم نبوت چوک نورنگ میں پرچم کشائی کے بعد ضلعی ناظم حضرت مولانا مفتی ضیاء اللہ نے آزادی کے موضوع پر بیان کیا۔ برصغیر پاک وہند کی آزادی میں علماء دیوبند کے کردار پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک آزاد اسلامی ملک معرض وجود میں آیا لہٰذا ناچ گانوں کے بجائے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوکر عاجزی کے ساتھ مملکت پاکستان کی بقا کے لئے دعا کرو۔ آخر میں ناظم دفتر مولانا ماسٹر عمر خان نے اسلام اور پاکستان کی امن وسلامتی کے لئے خصوصی دعائیں مانگیں۔

قادیانیت کے خلاف عدالتی چارہ جوئی!

(۲)

الحاج گوہر رحمٰن ایڈووکیٹ

ہر مسلمان کے لئے اس کا دین، اس کا مذہب، اس کا عقیدہ، نہایت قابل عزت وتکریم اور قابل فخر اثاثہ ہوتا ہے اور کسی کو اس کے مذہب، اس کے دینی عقائد سے محروم کرنا سب سے سنگین جرم ہے۔

ایک اسلامی ریاست صرف اور صرف اسلامی نظریہ پر قائم ہوتی ہے، اس لئے مسلم حکمران کا فرض بنتا ہے کہ وہ بلاتفریق رنگ، نسل، زبان اور قومیت، ملک میں اسلامی نظریہ کا تحفظ یقینی بنادیے۔ نیز ایک مسلم حکمران کا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوئے غیر مسلموں پر کڑی نظر رکھے، تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش نہ کرسکیں، نہ ہی سازش کا حصہ بن سکیں۔

دین اسلام کسی کو بھی قہراً و جبراً، اسلام قبول کرنے کو نہیں کہتا، البتہ اگر کوئی اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، تو وہ کلمہ شہادت صدق دل سے کہہ کر دین اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔

غیر مسلموں کے حقوق کا بھی اسلامی مملکت تحفظ کرتی ہے، لیکن کسی غیر مسلم کا خود کو مسلمان ظاہر کرکے دھوکہ دینا ناقابل معافی سنگین جرم ہے۔

آئین نے غیر مسلم اقلیتوں کو بھی کچھ حقوق و مراعات دی ہیں، بشرطیکہ وہ خود کو اقلیت تسلیم کرتے ہوئے اپنی اقلیتی شناخت پوشیدہ وخفیہ نہ رکھیں۔

ایک مسلم حکمران کے بنیادی فرائض میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ وہ ریاستی عوام سے متعلق ضروری معلومات ذخیرہ کرلے، کیونکہ اس کے بغیر ان کے حقوق وفرائض کا تعین کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد وہاں کے مسلمانوں کی مردم شماری کی گئی، جس میں مرد، خواتین، بچے سب شامل تھے، اور یہی بات مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان خط تفریق بن گئی، کیونکہ مدینہ منورہ میں چاہے کوئی مشرک داخل ہوتا یا عیسائی اور آتش پرست.... جو بھی ہوتا، ہر کوئی اپنی جداگانہ شناخت کے ساتھ داخل ہوتا۔ لہٰذا دینی عقیدہ ظاہر کئے بغیر حلال وحرام، ذبیحہ، اسی طرح نکاح، وراثت وغیرہ کے احکام کس طرح جاری کئے جاسکتے ہیں؟ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے تو اس کے لئے باقاعدہ محکمہ قائم فرمایا تھا۔

ایک اسلامی ریاست کو اس بات کا حق اور اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں بسنے والی اقلیتوں، مثلاً: عیسائی، سکھ، ہندو، قادیانی، لاہوری وغیرہ کے لئے قانوناً لازمی قرار دے کہ یہ لوگ سرکاری کاغذات میں خود کو اپنے دین وعقائد کے لحاظ سے اندراج کرائیں۔ یہ بھی اسلامی سربراہ مملکت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ان غیر مسلم اقلیتوں کے لئے علیحدہ ساخت کے شناختی کارڈز جاری کرنے کا حکم صادر کرے اور بصورت انکار یا قانون شکنی ان کے لئے سزا بھی تجویز کرے۔ اس کی مثال ہمیں حضرت عمرؓ فاروق کے دور خلافت میں ملتی ہے، جنہوں نے درست اور مکمل ریکارڈ محفوظ رکھنے کے لئے باقاعدہ رجسٹر بنوائے تھے، جن میں ہر کسی کا دین، عقیدہ، قبیلہ اور پیشہ درج ہوتا تھا، جبکہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں غیر مسلموں کے لئے زرد رنگ کے بیجز (Badges) متعارف کرادیے گئے تھے، جس پر اس متعلقہ شخص کا پیشہ بھی درج ہوتا تھا۔

اسلامی ریاست میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اسلامی قوانین واصول کے مطابق زندگی گزارتے ہیں جبکہ سیکولر نظام حکومت میں اختیار عوام کا اور نظام بھی عوامی مرضی پر چلتا ہے۔ لہٰذا، اگر ریاست نظام حکومت اسلامی اقدار کے مطابق چلاتی ہے تو فبہا، ورنہ پھر یہ حفاظتی ذمہ داری عوام پر ڈالی گئی ہے کہ وہ اس کے لئے جدوجہد کریں۔

ایک اسلامی ریاست کسی غیر مسلم شہری کو خود کو مسلمان ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ البقرۃ:۹﴾ (یہ لوگ اللہ کو اور اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں، اور اس کا انہیں احساس نہیں۔) ﴿واذا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ۔ البقرۃ:

۱۳﴾ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ۔ جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: کیا ہم اس طرح ایمان لائیں، جس طرح بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ آ گاہ رہو کہ بے وقوف یہی لوگ ہیں، لیکن یہ جانتے نہیں'') نہ ہی ریاست اسلامی اس بارے کوئی قانون سازی کرسکتی ہے جس کے بنیاد پر کوئی غیر مسلم خود کو مسلمان ظاہر کرے۔

مسلمان اور غیر مسلم معاشرتی طرز زندگی میں تفریق کے لئے تقریباً تیس چوبیس شعبے ہیں، جن میں ہر ایک کے لئے الگ قانون سازی کرنا ناگزیر ہے، مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے معزز عدالت کے سامنے حل طلب تنقیحات یہ ہے کہ:

۱۔ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ (۳) (اے) (بی) کے تحت قادیانیوں اور لاہوری گروہ کو غیر مسلم قرار دیے جانے کے بعد کیا اس ترمیم کا صحیح مقصد پورا ہونے کے لئے ضروری متعلقہ قوانین بنادیے گئے؟

۲۔ اگر جواب نفی میں ہے، تو کس قسم کی قانون سازی ہونی چاہئے کہ اس آئینی ترمیم (قادیانی، لاہوری گروہ غیر مسلم) کا مقصد پورا ہو جائے؟

۳۔ کیا کسی قانون سازی کے ذریعے کسی آئینی شق کو ناکارہ وغیر مؤثر بنایا جاسکتا ہے؟

۴۔ کیا کسی شہری سے اس کا مذہبی عقیدہ پوچھنا اس کے ان بنیادی حقوق، جو آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان نے فراہم کئے ہیں، سے متصادم ہے؟

۴۔ کیا کسی اقلیتی کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ ریاست کے اکثریتی لوگوں کے مذہب کی آڑ میں جملہ مفاد و مراعات حاصل کرنے کے بعد جب اس کا اصلی چہرہ ظاہر ہوجائے، تو وہ ان مالیاتی مراعات کا حقدار رہ سکتا ہے؟

کوئی بھی پاکستانی شہری اگر قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے اجراء کے لئے فارم بھرنا چاہے، تو اس میں عقیدہ ختم نبوت پر ایمان رکھنے سے متعلق اس کا اقرار کرنا شامل ہے، لیکن کسی سرکاری ملازمت کے لئے درخواست دیتے وقت اس میں امیدوار، سائل کا اپنا مذہب وعقیدہ ظاہر کرنا اور اس قسم کا بیان حلفی دینا نہ تو فیڈرل سروس کمیشن اور نہ ہی صوبائی سروس کمیشن کے مرتب کردہ درخواست ملازمت میں شامل ہے۔ لہٰذا اس آئینی ترمیم کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی ملازمت کے حصول کے لئے عقیدہ ختم نبوت سے متعلق بیان حلفی دینا درخواست کا لازمی حصہ بنادیا جائے۔

جہاں تک کسی بھی قانون سازی کے ذریعے کسی آئینی شق کو ناکارہ یا غیر فعال بنانے کا تعلق ہے تو وہ کسی طرح بھی مؤثر نہیں، جب تک آئین میں فراہم کردہ طریق کار کے مطابق خود آئین میں ترمیم نہ کی جائے۔ بلکہ جو بھی قانون کسی بھی آئینی شق سے متصادم ہو، اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں اور نہ ہی قابل عمل ہوتی ہے۔

آئین کے آرٹیکل (۳۶) کے مطابق یہ ریاستی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ریاست میں بسنے والے اقلیتی لوگوں کے جائز حقوق کی پاسداری کرے، جس میں صوبائی اور وفاقی ملازمتیں بھی شامل ہیں۔ نیز یہ بھی آئین میں شامل ہے کہ اقلیتوں کے آزادانہ طور اپنے عقائد کے مطابق عبادت کرنے اور ان کی ثقافت کو پروان چڑھانے کے لئے حکومت مناسب قانون سازی کرے گی۔ لیکن یہ سب ان کے دینی مذہبی عقائد جانے بغیر ریاست کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنی اقلیتی جماعتوں کے ان حقوق کے آزادانہ اور بلاتعطل استعمال کے انتظام وانصرام سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوسکے، جس کی ضمانت آئین کے شق (۲۰) اور (۳۶) نے دی ہے۔

جہاں تک اقلیتوں کا اکثریتی جماعت کا بھیس بدل کر مفاد و مراعات حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ تو شروع ہی سے پاکستانی قومی جھنڈے کے چوتھائی (سفید) حصہ میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ نہ تو اقلیتی گروہ اور نہ ہی اکثریتی جماعت کا کوئی شخص اپنا روپ بدل کر کسی دوسرے سے متعلق متعین حقوق استعمال کرسکتا ہے، بصورت دیگر وہ بمطابق قانون مستوجب سزا ہوگا۔ یہ امر بخوبی واضح ہے کہ بروئے آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء اور قوانین مابعد، قادیانی، لاہوری جماعت جداگانہ طور غیر مسلم اقلیت قرار دیے جاچکے ہیں۔ مگر یہ لوگ خود کو مسلمان اور دوسرے اکثریتی مسلمان باشندوں کو غیر مسلم قرار دیتے چلے آرہے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ملکی عدالت ریاست کو کوئی قانون بنانے کے لئے ہدایات جاری نہیں کرسکتی، لیکن کسی آئینی شق پر عملدرآمد کرنے کے لئے انتظامی اور قانونی قدم اٹھانے کے لئے وفاق کو حکم ضرور جاری کرسکتی ہے۔

اسی ضمن میں آئین کا آرٹیکل (۲۲۷) واضح طور صریحاً قرار دیتا ہے کہ تمام ملکی قوانین قرآن و سنت پر مبنی ہوں گے اور ان جملہ قوانین کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ متصادم ہوں۔

ہمارے اکثر عوام قادیانیت سے لاعلم ہیں، تو آئیں تھوڑا سا جائزہ لیں کہ قادیانیت کیا ہے؟ اور قادیانیوں، لاہوری گروہ والوں کا دین و شریعت اسلام سے متعلق عقیدہ کیا ہے؟ قادیانیوں کے بقول:

۱۔صرف قادیانیت/احمدیت ہی صحیح اسلام ہے اور مرزا غلام احمد کے بغیر اسلام ادھورا دین ہے۔

۲۔مرزا غلام احمد مجدد، مہدی، مسیح موعود، ظلی نبی اور رسول، کرشنا اوتار اور جملہ مذاہب کا پیشوا ہے۔

۳۔مرزا ہی اصل نبی اور رسول (بغیر شریعت جدید) ہے۔ انسانیت کی رہنمائی کے لئے حضرت ابراہیمؑ، نوحؑ اور موسیٰؑ کی طرح انبیاء و رسل کے آنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ نیز وہ ہر طرح سے حضرت عیسیٰؑ سے (نعوذ باللہ من ذالک) بہتر ہے۔

۴۔دنیا کا جو بھی مسلمان مرزا غلام احمد کو نبی نہ مانے، وہ پکا کافر ہے۔ (دنیا کا بدترین ملعون کافر کلمہ حق پڑھنے والے پکے مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے)۔

۵۔غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنا، ”غیر احمدیوں کے ساتھ احمدی عورتوں“ کا شادی کرنا۔ غیر احمدیوں کا نماز جنازہ پڑھنا اللہ تعالیٰ نے ممنوع قرار دیا ہے۔ (یہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایک اور افترا ہے)

۶۔مرزا کی عورت (بیوی) ام المؤمنین ہے، مرزا کے (کافر) ساتھی صحابہ ہیں، قادیان (حقیقی سرائے کفریت) مدینۃ المسیح ہے اور اس کے (نعوذ باللہ) رسول اور (ملعون کذاب مرزا غلام) نبی کا صدر مقام ہے۔

۷۔جہاد مستقبل میں ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔ (اسی مقصد کے لئے تو حکومت برطانیہ نے ہندوستان پر اپنے دور اقتدار میں اسے پال رکھا تھا)۔

۸۔حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) طبعی طور (نعوذ باللہ من ذلک) وفات پاچکا ہے اور ان کی قبر سرینگر کشمیر میں ہے۔ (اپنے کذب کو چھپانے اور اپنے لئے مسیحیت کا باب کھولنے کے لئے قرآنی نص کے خلاف حضرت عیسیٰؑ کے فوت ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا اس وجہ سے بھی کفر کا مرتکب ہوا)۔

۹۔وحی کا دروازہ کھلا ہے اور مرزا کی وحی پر عمل کرنا تمام انسانوں پر لازم ہے۔ (کچہری کا منشی بھی حامل وحی ہونے کا دعویٰ کرنے لگا۔)

شاید مرزا کذاب کے غلاظت بھرے جتنی بر جھوٹ اس پلندہ کی مناسبت سے حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

عصر من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآن بغیر از خود ندید

ترجمہ: ”کہ میرے عہد نے ایسے پیغمبر کو پیدا کیا ہے جس نے قرآن میں اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔“

تقسیم ہند اور وطن عزیز پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مرزا ناصر (جانشین مرزا غلام احمد) نے قادیانیت کے فروغ کے لئے یہ ایجنڈا طے کیا:

۱۔پاکستان میں اپنا صدر مقام بنانے کے لئے اس کی نظریں کشمیر اور بلوچستان پر جم گئی تھیں۔

۲۔جتنا زیادہ ممکن ہو، قادیانیوں کو افواج پاکستان میں داخل کرنا۔

۳۔تقسیم ہند کو ناکام بنا کر واپس متحدہ ہندوستان بنانا۔

نیز پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر اس سلسلہ میں اس وقت کے وزیر خارجہ قادیانی سر ظفر اللہ کو یہ مہم سونپی گئی تھی۔ اس نے بحیثیت وزیر خارجہ اپنے منصب کو اس قبیح مقصد کے لئے فراخدلی سے استعمال کیا۔

قادیانیوں کی ان مذموم سرگرمیوں کے مشاہدہ کے نتیجہ میں، سال ۱۹۵۱ء میں کراچی میں آل مسلم کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس میں حکومت کے سامنے درج ذیل مطالبات پیش کی گئیں:

۱۔مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ظفر اللہ کو وزیر خارجہ کی منصب سے علیحدہ کر دیا جائے۔

۳۔قادیانیوں کو تمام کلیدی عہدوں سے فارغ کر دیا جائے۔

۱۹۵۳ء میں احتجاجی تحریک نہایت جوش و خروش کے ساتھ چلی جو بزور طاقت دبا دی گئی۔ بالآخر ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو اس وقت کی پارلیمنٹ نے بالاتفاق یک زبان ہو کر آئینی ترمیمی بل کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

لیکن افسوس اور دلی دکھ سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ اس کے بعد حکومت وقت اور بالخصوص بعد کی آنے والی حکومتوں اور ان کے ہم پیالہ ہمنوا صاحب علم وفہم وفراست حمایتی طبقہ نے غفلت کا مظاہرہ کر کے اس مقصد کو حتمی اور منطقی انجام تک لے جانے کے لئے نہ کوئی ضروری اور مناسب قانون سازی کی، نہ کوئی اور فعال سعی کی، جس وجہ سے ابھی تک مذکورہ بالا آئینی ترمیم مع متعلقہ قوانین، ادھورے اور قادیانیوں کے وقت بے وقت حملوں کے زد میں رہتے ہیں۔ (جاری ہے)

قاری دین محمد ثاقب رحمۃ اللہ علیہ قلعہ کالروالا سیالکوٹ

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا قاری دین محمد ثاقب سناواں کوٹ ادو مظفرگڑھ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے دورۂ حدیث شریف جامع باب العلوم کہروڑ پکا سے ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں مولانا مفتی ظفر اقبال مہتمم جامعۃ السراج چیچہ وطنی کے ساتھ کیا۔ دورۂ حدیث شریف میں آٹھ ساتھی تھے۔ فراغت کے کچھ عرصہ بعد قلعہ کالروالا ضلع سیالکوٹ کی جامع مسجد ختم نبوت میں خطیب بن کر آئے۔ قلعہ کالروالا اور مضافات میں قادیانی فتنہ کے خاصے جراثیم ہیں۔ موصوف نے بہت جرأت اور ہمت سے قادیانیت کا بھرپور مقابلہ کیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقامی یونٹ کے امیر تھے۔ راقم الحروف جب لاہور میں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک مبلغ تھا اور آتش جوان تھا، تو سیالکوٹ کے مرزائیت زدہ چکوک میں حاضری ہوتی رہتی تو ان کی خدمت میں بھی حاضری ہوتی۔ بہت ہی خوش اخلاقی اور خندہ روئی سے پیش آتے۔ اس وقت سیالکوٹ میں کوئی مبلغ نہ تھا۔

ان کے بڑے بھائی مولانا قاری اللہ بخش عثمانیہ مسجد میں میاں چنوں خانیوال کے خطیب تھے۔ میاں چنوں خانیوال کی تحصیل ہے اور اس وقت ضلع ملتان کی تحصیل تھی۔ اوکاڑہ سے خانیوال تک کوئی مبلغ نہ تھا۔ شجاع آباد، ملتان آتے جاتے ان کی خدمت میں حاضری، مسجد میں درس اور سال میں ایک جمعہ ضرور ہوتا۔ مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا قاری محمد امین بھی غالباً باب العلوم کہروڑ پکا میں پڑھتے رہے، یہ سارا گھرانہ علماء، حفاظ وقرا کا ہے۔

قاری دین محمد ثاقبؒ نے برلب نہر جامعہ زین العابدین کے نام سے دینی ادارہ بھی قائم کیا جو قلعہ کالروالا سے نارووال روڈ پر واقع ہے۔ اللہ پاک نے عملیات میں بھی مہارت سے سرفراز فرمایا تھا۔ جنات اور جادو دونوں کا علاج کرتے تھے۔ جنات بھی عجیب وغریب حرکتیں کرتے۔ ایک ملاقات میں فرمانے لگے کہ ایک قادیانی دوشیزہ پر جنات کا سایہ تھا، چونکہ قادیانی جنات کو نہیں مانتے لیکن لڑکی عجیب وغریب حرکتیں کرتی، جس سے اس کے والدین بہت پریشان تھے، کسی کے کہنے پر حضرت قاری صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مریضہ کی ساری کیفیت بیان کی۔ موصوف نے ان کے ہاں جانے کا وعدہ کیا نیز ان کے جانے کے بعد اپنے موکلات کے ذریعہ جنات کو حاضر کیا اور ان سے شرائط پوچھیں! جنات نے اپنی کچھ شرائط بتلائیں۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ آپ لوگ جہاں اور شرائط رکھیں ایک شرط یہ بھی رکھیں کہ کمرہ میں مرزا قادیانی کی لگی ہوئی تصویر کو اتار کر اسے دس جوتے لگائیں، تب چھوڑیں گے، چنانچہ قاری صاحب تشریف لے گئے اور جنات کو حاضر کیا، جن نے اپنی دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط مرزا قادیانی کی تصویر کو چھتر لگانے کی بھی رکھی۔ مرتا کیا نہ کرتا، لڑکی کے والدین کو یہ شرط قبول کرنا پڑی۔

قاری صاحب جب لاہور تشریف لاتے تو کبھی کبھی دفتر میں تشریف لاتے اور کافی دیر قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ جامع مسجد عائشہ مسلم ٹاؤن لاہور والے دفتر میں تشریف لائے اور رزق میں وسعت کا عمل بتلایا اور کہا کہ یہ عمل چالیس دن صبح کی نماز سے پہلے کیا جائے اور اس کے بعد ہر نماز کے بعد دو مرتبہ پڑھا جائے، وہ عمل یہ ہے:

”آمنت باللہ وحدہ وکفرت بالجبت والطاغوت واستمسک بالعروۃ الوثقی لانفصام لھا واللہ سمیع علیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر ما خلق یاحفیظ، یاحفیظ، یاحفیظ، یاحفیظ، یاحفیظ۔“

یہ وظیفہ چالیس روز کیا جائے اور چالیس مرتبہ یومیہ صبح کی نماز سے پہلے انشاء اللہ العزیز رزق میں برکت ہوگی۔

غرضیکہ ایک مجاہد عالم دین، باہمت عامل، جس نے ہزاروں افراد کو جنات اور جادو کے فتنہ سے نجات دلائی، اس دنیائے فانی سے رخصت ہوا۔

راقم گوجرانوالہ تھا کہ معلوم ہوا کہ ۱۸؍جولائی کو مرحوم نے رحلت فرمائی۔ اللہ پاک ان کی سیئات سے درگزر فرمائیں اور حسنات قبول فرماکر جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ آمین۔

☆☆..............☆☆

سالانہ پانچ روزہ

تحفظ ختم نبوت تربیتی کورس، کراچی

آخری قسط

ضبط وترتیب: مولانا محمد قاسم، کراچی

پانچواں روز، ۲۹؍جولائی بروز بدھ: آج کورس کے آخری دن کا پہلا سبق مولانا عبدالحی مطمئن (مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی) نے پڑھایا، جس کا عنوان ''عیسائیت کیا ہے؟'' تھا۔ آپ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تھے، آپ کی نبوت ورسالت اسی مخصوص قوم کے لئے تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد جب عیسائیت میں تغیر آیا تو ان کے دو بڑے فرقے: (۱) رومن کیتھولک، (۲) پروٹسٹنٹ۔ ان دونوں کے مابین اتنے اختلافات ہیں کہ ان کی کتابیں بھی الگ الگ ہیں۔ پروٹسٹنٹ کی کتاب کا نام ''کتاب مقدس'' ہے اور کیتھولک کی کتاب کا نام کلام مقدس'' ہے۔ پھر ان دونوں کتابوں کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ ان صحیفوں پر مشتمل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں پر اترے، یہ حصہ ''عہد نامہ عتیق'' یا ''عہد نامہ قدیم'' کہلاتا ہے۔ دوسرا حصہ ''عہد نامہ جدید'' کہلاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل پر مشتمل ہے، اس حصہ کو ''انجیل مقدس'' بھی کہتے ہیں۔ آج کل کی عوامی زبان میں عیسائیوں کی کتاب کو ''بائبل'' کہا جاتا ہے۔ بائبل یونانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ''کتابیں''۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان دوسرا بڑا فرق بائبل میں موجود رسالوں کی تعداد کا ہے، کیتھولک فرقہ کے عہد نامہ قدیم میں پینتالیس رسالے ہیں جبکہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک ان رسالوں کی تعداد انتالیس ہے۔ اس کے بعد آپ نے عیسائیت کی تعریف پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور دلائل و براہین سے عیسائیت کے عالمگیر مذہب ہونے کے زعم کا توڑ کیا اور کہا کہ عالمگیر مذہب صرف اسلام ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور آپ کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی جو انجیل میں موجود ہے اور قرآن نے اسے نقل کیا ہے:

''وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔'' (الصف:۶)

دوسرا سبق: ''مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹ'' کے عنوان پر مولانا محمد شعیب کمال نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مرزا قادیانی نے ساری زندگی جھوٹ ہی بولا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر قادیانیوں سے مرزا کی ذات سے متعلق بات کی جائے تو وہ کبھی بھی اس موضوع پر بات کرنے کو تیار نہیں ہوتے کیوں کہ وہ خود بھی مرزا کے جھوٹوں سے واقف ہیں۔ جھوٹ بولنا دنیا کے کسی بھی مذہب میں اچھا نہیں سمجھا جاتا، انسانی فطرت بھی جھوٹ کو ناپسند اور سچ کو پسند کرتی ہے۔ مرزا قادیانی کے جھوٹوں کے متعلق جاننے سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ خود مرزا قادیانی جھوٹ بولنے کے بارہ کیا کہتا ہے! وہ لکھتا ہے کہ: ''جھوٹے پر خدا کی لعنت۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ، حصہ پنجم، ص:۱۱۱۔ خزائن، ج:۲۱، ص:۲۷۵) ایک اور جگہ لکھتا ہے: ''جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں۔'' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، ص:۱۹، حاشیہ۔ خزائن، ج:۱۷، ص:۵۶) ''دروغ گوئی کی زندگی جیسی کوئی لعنتی زندگی نہیں۔'' (خزائن، ج:۱۸، ص:۳۸۰) اب مرزا صاحب کے ان ارشادات کی روشنی میں ان کے خود کے جھوٹ ملاحظہ ہوں: ۱: ''ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔'' (تذکرہ، ص:۵۹۱، طبع چہارم) سب جانتے ہیں کہ مرزا لاہور میں پاخانہ میں گر کر مرا تھا۔ مکہ یا مدینہ میں مرنا تو درکنار، اسے تو وہاں جانا بھی نصیب نہیں ہوا۔ ۲: ''قرآن میں تین شہروں کا ذکر اعزاز کے ساتھ ہے: مکہ، مدینہ اور قادیان۔'' (تذکرہ، ص:۷۴ اور ۷۶۔ ازالہ اوہام، ص:۷۷۔ خزائن، ج:۳، ص:۱۴۰، حاشیہ) حالانکہ قرآن کریم میں کہیں بھی قادیان کا نام مذکور نہیں۔ اپنے پیشرو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے

قادیانی بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے، چناں چہ ایک مثال ملاحظہ ہو: قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں نے پنجاب میں دریائے چناب کے کنارے ایک بڑی جگہ اپنے آقا انگریز کی مہربانی سے کوڑیوں کے مول حاصل کر کے اسے اپنا مرکز بنالیا اور اس کا نام ”ربوہ“ رکھا، پھر مسلمانوں کو دھوکا دینے لگے کہ ہمارے شہر کا نام قرآن میں مذکور ہے۔ اس فریب کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا مقام ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ۔“ (المؤمنون:۵۰)

”ربوۃ“ کا معنی ہے: ”ٹیلہ“۔ یہ کسی شہر کا نام نہیں ہے۔

غرض یہ کہ ان جھوٹوں کے قائل مرزا غلام قادیانی اور اس کے پیروؤں کی حیثیت خود اسی کے اقوال کی روشنی میں واضح ہو جاتی ہے، ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ ہمارے حضرت شاہ جی (امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) کا یہ قول دریا بکوزہ کا مصداق اور کتنی بڑی حقیقت کو خود میں سموئے ہوئے ہے کہ: ”مرزا قادیانی اللہ کا نبی تو کجا، شریف انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں۔“

تیسرا سبق: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پانچویں امیر محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ تھے جن کی قیادت میں ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور قادیانی غیر مسلم قرار پائے۔ مولانا سید احمد یوسف بنوری زید مجدہ، آپ کے پوتے ہیں، نوجوان اور جید عالم دین ہیں، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن میں استاذ ہیں۔ آج ہمارے مہمان کے طور پر آپ تشریف لائے اور ”تحریکاتِ ختم نبوت“ کے عنوان پر لیکچر دیا، جس میں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنے بندوں کا انتخاب کر کے تحاریک کے مراحل مکمل کر دیے، اب ہمیں اس امانت کی حفاظت کرنی ہے۔

تحریک، جسے انگریزی میں موومنٹ کہتے ہیں، کا مطلب یہ ہے کہ: ”کسی خاص مرحلہ پر ایسے محرکات پیدا ہوں جو دینی جذبہ کے تحت ہونے والے کام کو باقاعدہ ایک رخ دیں، اور قانونی و سیاسی سطح پر درپیش مسائل اجاگر کئے جائیں اور ان کا حل تلاش کیا جائے۔“ تحریکاتِ ختم نبوت کا مطالعہ کیا جائے تو چار مواقع ایسے نظر آتے ہیں جو تحریک کا باعث بنے۔ پہلا موقع ۱۹۲۶ء کا ہے جب مقدمہ بہاولپور شروع ہوا، ایک مسلمان لڑکی کا شوہر قادیانی ہوگیا تو لڑکی نے فسخ نکاح کے لئے مقدمہ دائر کر دیا، قادیانی وکیل نے عدالت میں قادیانیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی، مسلمانوں کی طرف سے علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے دلائل کی روشنی میں قادیانیت کا کفر طشت ازبام کیا، چناں چہ عدالت نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے اس نکاح کی منسوخی کا فیصلہ کر دیا۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ جب قادیانی کسی عدالت سے اور سرکاری کاغذات میں غیر مسلم قرار پائے۔ اس مقدمہ کی روئیداد پر مستقل کتاب ”مقدمہ بہاول پور“ ہے۔ اسی مقدمہ کے نتائج سے قادیانیوں کے خلاف امت مسلمہ کے وہ جذبات بیدار ہو گئے کہ پھر جب قادیانیوں نے آزادیٔ کشمیر کی تحریک میں شامل ہونا چاہا اور مرزا محمود کشمیر کمیٹی کا صدر بن بیٹھا تو علامہ محمد اقبال نے ان کی سیاسی چالوں کو سمجھا اور مرزا محمود کو کشمیر کمیٹی سے الگ کرایا، پھر علامہ اقبال نے ہی سب سے پہلے قادیانیوں کی مسلمانوں سے الگ شناخت کا مطالبہ کیا، جس پر عمل درآمد ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہوا۔

دوسرا موقع قیام پاکستان کے فوری بعد کے حالات تھے، اس وقت پاکستان کا وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی تھا، جس کی کوششوں سے قادیانیت پاکستان میں اپنا سیاسی اثر ورسوخ پیدا کرنے کے لئے کوشاں تھی۔ قبل ازیں ظفر اللہ قادیانی مسلم لیگ کی جانب سے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہو کر مسلمانوں کا مقدمہ اس بری طرح مسخ کر چکا تھا کہ جس کا نتیجہ مسلمانوں کو پنجاب کی غیر منصفانہ تقسیم اور کشمیر پر بھارتی تسلط کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ ظفر اللہ قادیانی نے وزارتِ خارجہ کی آڑ میں قادیانی عزائم کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ دنیا بھر میں خود کو اسلامی ملک پاکستان کا وزیر خارجہ کم اور خلیفہ قادیان مرزا محمود کا نمائندہ بنا کر زیادہ پیش کیا، دنیا بھر میں پاکستان کو قادیانی ریاست باور کرانے کی کوشش کی، یہی وجہ تھی کہ مرزا محمود کو اتنا حوصلہ پیدا ہوگیا کہ اس نے ۱۹۵۲ء میں صوبہ بلوچستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر مجلس احرار اسلام، جو پورے اخلاص کے ساتھ تقسیم ملک کی پالیسی سے اختلاف رکھتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے سیاسی مؤقف کی قربانی دی، پاکستان کو دل وجان سے قبول کیا اور قادیانیت کے تعاقب کے لئے شب وروز مصروفِ عمل ہوگئے۔

چناں چہ ۱۹۵۳ء کی تحریک چلی، تفصیلات ”تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اس تحریک کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر اس مسئلہ کو سیاسی طور پر حل کرنے کا شعور بیدار ہوا،

نیز مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا گیا تاکہ قادیانی مسلمانوں کے باہمی اختلافات سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ چناں چہ ۱۹۷۴ء میں نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر قادیانیوں کے مظالم کے نتیجہ میں جو تحریک چلی، اس تحریک میں مسلمانوں کو سب سے بڑی سیاسی کامیابی ملی اور قادیانی غیر مسلم قرار پائے۔ اتنی بڑی کامیابی اس لئے حاصل ہوئی کہ ہمارے اسلاف نے ہر قسم کے سیاسی جھگڑے سے دور رہ کر، اپنے سیاسی مؤقف کی قربانی دے کر، اقتدار کی رسہ کشی سے بچتے ہوئے للہ فی اللہ خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و ناموس کے لئے خود کو وقف کردیا تھا، اب یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ اس امانت کی پاسداری کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائیں، آمین!

چوتھا سبق: ''حجیتِ حدیث اور منکرین حدیث کا حکم'' کے موضوع پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی دفتر کے دارالافتاء کے رفیق مولانا مفتی عبداللہ حسن زئی مدظلہ نے سبق پڑھایا، آپ نے فرمایا کہ تمام امت اس پر متفق ہے کہ شریعت کے مآ خذ چار ہیں: ۱:... کتاب اللہ، ۲:... سنتِ رسول، ۳:... اجماع، ۴:... قیاس۔

ان چار مآ خذ میں سے دوسرا ماخذ ''سنت رسول اللہ'' سر دست ہمارا موضوع بحث ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمان کہلانے والے نئے فرقے جو پیدا ہوئے اور ان پر صحابہ و تابعین کی جانب سے ابتداع و گمراہی کا حکم لگا، ان میں سب سے پہلا فرقہ خوارج کا ہے اور دوسرا روافض کا ہے۔ لیکن یہ دونوں فرقے حجیتِ حدیث کے قائل تھے۔ پھر ایک تیسرا فرقہ پیدا ہوا، جس کا بانی واصل ابن عطا معتزلی تھا۔ یہ ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ حضرت حسن بصریؒ کا شاگرد تھا۔ حدیث کا سب سے پہلے انکار کرنے والا یہی شخص اور اس کے پیروکار تھے، انہیں ''معتزلہ'' کہا جاتا ہے، یعنی اہل سنت سے الگ ہوجانے والے لوگ۔

ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ یہ کھلم کھلا تو حدیث کا انکار نہیں کرتے تھے لیکن جو حدیث ان کے مطلب کی ہوتی، اسے لے لیتے اور جو خلاف مقصود ہوتی، اسے یہ کہہ کر کہ حدیث حجت نہیں ہوتی، چھوڑ دیتے تھے۔

اس فتنہ کا سب سے پہلے تعاقب امام اعظم ابوحنیفہؒ نے کیا اور مدلل انداز سے ان کی بھرپور تردید فرمائی۔ تحریری میدان میں ان کے خلاف سب سے پہلے لکھنے والے امام شافعیؒ ہیں، چناں چہ آپ کی کتاب ''کتاب الأم'' کی ساتویں جلد میں اصول فقہ پر ایک رسالہ ہے، جس میں آپ نے حجیت حدیث پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے معتزلہ کے نظریات کی تردید فرمائی ہے۔ پھر امام احمد بن حنبلؒ نے بھی معتزلہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا، جو علامہ ابن قیم کی کتاب ''اعلام الموقعین عن آیات رب العالمین'' میں موجود ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کو انہی معتزلہ کا رد کرنے کی پاداش میں حکمران وقت کی جانب سے اذیتوں اور قید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ غرض یہ کہ ہر فقیہ و محدث اور متکلم نے اپنے اپنے دور میں اپنے اپنے انداز سے معتزلہ کا تعاقب کیا ہے، جن میں مشہور امام ابن حزم ظاہریؒ ہیں، جن کی کتاب ''الاحکام'' اس باب میں سب سے مفصل و مدلل ہے، اسی طرح امام غزالیؒ نے بھی معتزلہ کا رد کیا ہے۔

آج یہی فتنہ پرور لوگ منکرین حدیث کہلاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کی بنیاد علی گڑھ کالج کے بانی سرسید احمد خان نے رکھی، پھر ان کے شاگرد مولوی چراغ علی نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ پھر ایک اور صاحب آئے، عبداللہ چکڑالوی، یہ شروع میں غیر مقلد تھے، بعد میں منکر حدیث ہوئے اور اہل قرآن کے نام سے اپنا فرقہ بنایا۔ اس کی فرقہ کی بنیاد ہی انکار حدیث ہے، اور قرآن کا نام سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے لیتے ہیں۔

منکرین حدیث میں تین طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں:

۱:... کچھ منکرین حدیث کا کہنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پوری امت پر من حیث الرسول واجب نہیں ہے، صرف قرآن کافی ہے۔

۲:... اور کچھ کہتے ہیں کہ احادیثِ رسول صرف صحابہ کے لئے حجت تھیں، باقی امت کے لئے نہیں ہیں۔

۳:... جبکہ کچھ کا کہنا یہ ہے کہ احادیث امت کے لئے حجت تو ہیں لیکن یہ احادیث جن ذرائع سے ہم تک پہنچیں وہ ذرائع ناقابل اعتبار ہیں، نیز یہ کہ احادیث تین صدیوں بعد جمع کی گئی ہیں، اس لئے اب انہیں حجت نہیں سمجھا جاسکتا۔

یہ تینوں نظریات قرآن کریم کی رو سے بالکل باطل ہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ

وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔“ (النساء:۵۹)

یعنی: اللہ کا کہنا مانو! اس سے مراد قرآن کریم ہے، اور اس کے رسول کا کہنا مانو! اس سے مراد احادیث نبویہ ہیں۔ کیوں کہ اگر اس سے بھی قرآن مراد ہو تو تکرار لازم آئے گا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کے اقوال وافعال میں ہوگی۔ جیسے اللہ کی اطاعت لازم ہے، ویسے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی لازم ہے۔

پھر منکرین حدیث یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیت میں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت من حیث الحاکم لازم ہے۔ یہ شبہ اس لئے باطل ہے کہ حاکم کا ذکر ”الرسول“ کے بعد مستقل آرہا ہے: ”اولی الامر منکم“۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے دیگر دلائل و براہین کی روشنی میں ”حجیت حدیث“ کی تائید میں مزید اور تفصیلی گفتگو فرمائی اور منکرین حدیث کی گمراہی کو واضح کیا۔

چوتھا سبق: آج کے روز کا آخری سبق پڑھانے کے لئے ہمارے مہمان اور قابل قدر بزرگ عالم دین مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب (مہتمم جامعہ خلفائے راشدین، ماڑی پور) تشریف لائے۔ آپ نے ”قادیانی وساوس“ کے زیر عنوان درس دیتے ہوئے ان قادیانی وسوسوں کے جواب ذکر کئے جو وہ سادہ لوح مسلمانوں کو الجھانے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ قادیانی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کرنے کے لئے یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ اگر ختم نبوت کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے آسکتے ہیں؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی بن کر نہیں بلکہ آپ کے امتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دین عیسائیت نہیں بلکہ خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کی ترویج واشاعت کریں گے۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ پس ختم نبوت کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ نبی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے گئے، پھر اللہ کے حکم سے آسمانوں پر زندہ اٹھالئے گئے اور قرب قیامت میں دجال کو قتل کرنے کے لئے تشریف لائیں گے، اس کے بعد زمین پر کچھ عرصہ گزار کر ان کا وصال ہوگا۔

مولانا نے دیگر قادیانی وساوس کے بھی تسلی بخش جوابات سے سامعین کے علم میں اضافہ فرمایا، نیز آخر میں چند نصائح سے بھی طلبہ علم کو مستفید فرمایا۔

آپ کے اس درس کے ساتھ پانچ روزہ کورس کے اسباق کی تکمیل ہوگئی۔ ظہرانہ، آرام اور نماز ظہر کے بعد کورس میں شریک طلبہ کا امتحان ہوا، امتحان میں کامیاب ہونے والے طلبہ میں تقسیم انعامات کی تقریب کے لئے ۲۰ اگست کی تاریخ کا اعلان ہوا اور اس کے ساتھ ہی دعا پر یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوا۔

امیر مرکزیہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی، امیر مجلس کراچی مولانا محمد اعجاز مصطفی دامت برکاتہم کی رہنمائی اور مرکزی مبلغ مولانا قاضی احسان احمد مدظلہ کی نگرانی میں تمام ضلعی ذمہ داران مولانا محمد اسحاق مصطفی، مولانا محمد عادل غنی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد شعیب کمال، مولانا محمد کلیم اللہ نعمان، حافظ سید عرفان علی شاہ نے اس کورس کے انعقاد اور اسے کامیاب بنانے کے لئے بھرپور محنت کی، کورس سے پہلے مدارس کا دورہ کرکے طلبہ کو تیار کیا۔ پھر مولانا عبدالحئی مطمئن نے ایک کامیاب نظم تشکیل دیا، جس کے تحت یہ کورس بخیر وخوبی اپنے انجام کو پہنچا۔ کراچی جماعت کے ناظم جناب محمد انور رانا اور جناب سید انوار الحسن شاہ صاحب نے کورس سے متعلق دیگر تمام معاملات کی انجام دہی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مہمان علمائے کرام اور طلبہ دین کے اکرام وطعام کے نظم میں بھائی ریاض الحق، بھائی رضوان، اللہ وارث اور مولوی ابرار زمان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جتے رہے۔ محمد فیصل عرفان خان کورس سے متعلقہ مواد کی کمپوزنگ اور تزئین و آرائش کرتے رہے۔ مولوی عبدالوہاب پشاوری نے کورس کے اشتہارات ڈیزائن کئے۔ جبکہ بھائی محمد عدیل روزانہ کورس کے تمام تر اسباق کو صوتی شکل میں سوشل میڈیا کے ذرائع یوٹیوب، فیس بک، ٹوئٹر اور واٹس ایپ وغیرہ پر آن لائن نشر کرنے کا اہتمام کرتے رہے، جس کی بدولت گھر بیٹھے حضرات، خصوصاً خواتین کورس سے مستفید ہوئے۔ نیز یہ تمام اسباق اب آڈیو کی صورت میں محفوظ ہوچکے ہیں اور جو جب چاہے ان سے استفادہ کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام خدام ختم نبوت کی محنتوں کو قبول فرمائیں، خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث بنائیں اور ہم سب کو جنت میں اسی طرح جمع فرمائیں جیسے دنیا میں ختم نبوت کے کام کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ آمین یا رب العلمین، بحرمۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم!

بقیہ:......اداریہ

۷؍اکتوبر کو علامہ اقبالؒ نے قائداعظم کے نام خط میں اصرار کیا کہ مسلم لیگ کے اجلاس میں فلسطین کے لئے قرارداد منظور کی جائے۔ کچھ دن بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے لکھنؤ میں اپنے ۲۵ویں سالانہ اجلاس میں فلسطینیوں کے حق میں قرارداد منظور کی۔ ایسی ہی ایک قرارداد ۲۳؍مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منظور کی گئی۔ جب اسرائیل نے پاکستان سے سفارتی تعلقات کی درخواست کی تو قائداعظم نے یہ درخواست نظرانداز کردی۔ الحمدللہ! شروع دن سے آج تک پاکستان اپنے اسی موقف پر قائم ہے اور وزیراعظم عمران خان صاحب نے بھی یہ اعلان کیا ہے کہ: ’’جو چاہے اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم رکھے، پاکستان اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا۔‘‘ وجہ یہ ہے کہ اگر اسرائیل کو تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کا کوئی بھی زورآور ملک کمزور ملک پر چڑھائی کرکے اس کے علاقے کو ہتھیا سکتا ہے۔ اور مزید یہ کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد ہم اخلاقی اور سیاسی طور پر بھارت سے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔

اس کے علاوہ اسرائیل کے پہلے وزیراعظم نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے بارے میں کہا تھا کہ: تمہیں عربوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، تمہیں خطرہ صرف پاکستان سے ہے، پاکستان کے وجود کو مٹانا ہوگا، یعنی پاکستان بھلے اسرائیل کو تسلیم بھی کرلے اور اس سے سفارتی تعلقات بھی قائم کرلے، اسرائیلیوں کے لئے پاکستان کا وجود ناقابلِ برداشت ہے۔ اسی لئے اسرائیل نے ہر فورم پر ہمیشہ سے پاکستان کی مخالفت کی۔ ۱۹۶۵ء پاک بھارت جنگ میں اسرائیل نے بھارت کی کھل کر ہر طرح کی مدد کی۔ اسرائیل پاکستان کو واحد اسلامی جوہری ریاست ہونے کی بنا پر اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی نیوکلیئر پاور کو اسرائیل نے ’’اسلامی بم‘‘ کے نام سے موسوم کیا۔ اسرائیلی قیادت پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ہمیشہ ناپاک منصوبے بناتی رہی ہے۔ اسرائیل بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کے ایٹمی مرکز کہوٹہ کو تباہ کرنے کی مکروہ منصوبہ بندی کرتا رہا ہے۔ کشمیر میں اسرائیل بھارتی فوج کے ساتھ مل کر حریت پسندوں پر ظلم ڈھا رہا ہے، اسی لئے پاکستان کا اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا یہ جذباتیت نہیں، بلکہ حقیقت پسندانہ موقف ہے۔

....

غازی فیصل خالد کا اقدام اور حکومت کی ذمہ داری

اسلامیانِ پاکستان کا یہ موقف رہا ہے کہ جو گستاخ بھی حضور اکرم ﷺ یا انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت وناموس کے خلاف بھونکتا ہے، اسے قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ اگر سزا نہ دی گئی تو لوگ خود قانون کو ہاتھ میں لے لیں گے، جیسا کہ ممتاز قادری شہیدؒ اور اب فیصل خالد نے پشاور کی بھری عدالت میں مدعیٔ نبوت کو قتل کرکے اس کا ثبوت دیا ہے۔ اس قتل کی ذمہ داری اس نظام پر عائد ہوتی ہے، جس نے باوجود عدالت سے مجرموں کے خلاف فیصلہ ہونے کے ابھی تک ان کی سزا پر عمل درآمد نہیں کیا۔ نہ صرف یہ کہ عمل درآمد نہیں کیا، بلکہ اُلٹا مجرموں کی پشت پناہی کی گئی اور پروٹوکول کے ساتھ اُنہیں باہر بھجوایا گیا۔

اس سلسلے میں قومی اسمبلی میں معزز رکن جناب عمران شاہ صاحب نے بڑی خوبصورت بات فرمائی کہ: ’’میں وفاقی حکومت، خیبر پختون خوا حکومت، اور خاص طور پر صدرِ پاکستان سے گزارش کروں گا کہ پشاور کی عدالت میں جو واقعہ پیش آیا اور کم سن بچے غازی فیصل خالد نے ایک گستاخِ رسول کو مارا تو اُسے صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ بری کیا جائے۔ صدرِ پاکستان فوری صدارتی فرمان جاری کریں اور اس بچے کو رہا کیا جائے۔ اگر رہا

نہیں ہوسکتا تو پھر جیسے ریمنڈ ڈیوس سے دیت لے کر اسے ملک سے باہر بھیجا گیا، جیسے سانحہ ساہیوال میں مقتولین کے ورثاء کو دیت دے کر خاموش کرا دیا گیا اور اس واقعہ کے ملزمان کو رہا کر دیا گیا، اسی طرح دیت دے کر اس بچہ کو بھی رہا کیا جائے اور اس کی دیت میں دینے کو تیار ہوں۔‘‘

اس پر وزیر مملکت جناب علی محمد خان نے حکومتی موقف دیتے ہوئے فرمایا: ’’عمران شاہ صاحب نے بہت اہم ایشو اُٹھایا ہے اور میں ان کی بات سے بالکل اتفاق کرتا ہوں کہ جب عدالتوں میں کیس ڈھیلے ہوتے ہیں تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ کچھ امور ایسے ہیں کہ جن میں حکومت اپنا کردار ادا کر سکتی ہے، مثال کے طور پر ملزمان کے پکڑنے میں پراسیکیوشن کے نظام کو بہتر کرنے میں، کچھ امور میں عدالتوں کا اختیار ہوتا ہے، آپ نے جس کیس کی طرف اشارہ کیا وہ دو سال سے وہاں چل رہا تھا۔ عمران صاحب نے جو پوائنٹ اُٹھایا کہ پچھلی ڈیڑھ دو دہائیوں میں کتنے سو کیسز رجسٹرڈ ہوئے ہیں، لیکن ان میں سزائیں نہیں ہوئیں، تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ پھر سوچتے ہیں کہ ریاست کی طرف سے سزا نہیں دی جارہی تو لوگ اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔‘‘

بہر حال ہم اربابِ اقتدار سے یہ کہنا چاہیں گے کہ نظامِ انصاف کو درست کریں اور جن گستاخوں پر جرم ثابت ہو چکا ہے، ان کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچائیں، تاکہ اس طرح قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کا سد باب ہو اور قانون شکنی کا کوئی اور واقعہ پیش آنے کی نوبت نہ آئے۔

....

مسجد وزیر خان کی بے حرمتی

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ’’أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا‘‘ کہ روئے زمین پر سب سے محبوب جگہ مساجد ہیں اور مسجد کی ظاہری و باطنی تعمیر اور آبادی اہلِ ایمان ہی کرتے ہیں۔ مساجد میں بو والی چیزوں کو کھا کر آنے سے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نمازیوں اور فرشتوں کو ایذا ہوتی ہے۔ مشرکینِ مکہ کا یہ شیوہ تھا کہ وہ نماز کے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ ایک وقت تھا کہ متحدہ ہندوستان میں کافر لوگ بھی مساجد کا احترام کیا کرتے تھے، اپنا باجا وغیرہ مساجد سے کافی دور مسجد کے احترام میں بند کر دیا کرتے تھے اور آج ایسا وقت آ گیا کہ ہمارے اسلامی ملک میں بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے مسجد میں نعوذ باللہ! گانے کی شوٹنگ اور رقص کر رہے ہیں اور محکمہ اوقاف کے کتنے بے حس، بے ضمیر اور بے حمیت افسران ہیں جو اُن کو مسجد وزیر خان میں اس بے ہودگی اور بے حیائی کا اجازت نامہ دے رہے ہیں۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ اس واقعہ میں ملوث تمام لوگوں کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے اور آئندہ کے لئے تمام مساجد میں ہر قسم کی فوٹو گرافی ممنوع قرار دی جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے ان گھروں کا تقدّس اور حرمت پامال نہ ہونے پائے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین

....

خود سری ہے، گرم جور و ظلم کا بازار ہے
اے عمر فاروقؓ! تجھ سا حکمراں درکار ہے
ایک وہ سرکار، عدل و امن کی ضامن تھی جو
ایک یہ سرکار، جو بس نام کی سرکار ہے

تحریک ختم نبوت پر ایک تاریخی دستاویز

نابغہ وعبقری شخصیت کے مالک حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کو تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ایک جری، دلیر اور تہور پیشہ سپہ سالار کی حیثیت حاصل ہے۔ تقریر وتحریر ہو یا مباحثہ ومناظرہ، دونوں میں انہیں لاثانی خداداد ملکہ حاصل ہے۔ مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف ان کے محبوب ومرغوب مشاغل ہیں۔

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کی نئی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' نہایت مبسوط، مدلل، مربوط، جامع اور تحقیقی کتاب ہے۔ **۱۹۳۴ء کی ختم نبوت کانفرنس قادیان سے دسمبر ۲۰۱۹ء تک** تحریک ختم نبوت جن مراحل سے گزرتی رہی، اس کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ کو جمع کردیا گیا ہے۔ دس ضخیم جلدوں کے ساڑھے چھ ہزار صفحات پر مشتمل قریباً ایک صدی کی عشق ومحبت کی داستان لازوال جو ایمان پرور، جہاد آفرین بھی ہے اور حقائق افروز بھی۔ اس کی ترتیب وتہذیب اور تالیف تدوین بڑی عرق ریزی، دقت نظر اور حسن عقیدت سے کی گئی ہے۔ انداز نگارش ایسا سحر انگیز ہے کہ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے جیسے مولانا خود ان تمام حالات وواقعات کے عینی شاہد ہیں۔

یہ کتاب کارکنانِ تحفظ ختم نبوت کے لئے ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں ایمان پرور واقعات، اکابرین کے ولولہ انگیز خطابات، پس پردہ حقائق، ہوشربا انکشافات، حکمرانوں کی قادیانیت نوازی اور مختلف اعلیٰ عدالتی فیصلوں کا بھرپور تذکرہ ہے، جس کے مطالعہ سے دلوں میں عقیدت ومحبت کی ایک برقی رو دوڑ جاتی ہے۔ دینی غیرت و حمیت کی ایسی پُرسوز وگداز کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ خون جوش مارتا اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔ ایسی کیفیات اور احساسات کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس تاریخی کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب کارکنانِ تحفظ ختم نبوت کے لئے انمول سوغات اور سدا بہار گلدستہ ثابت ہوگی۔ مزید برآں اس اہم موضوع پر ریسرچ کرنے والے اسکالرز اور طالب علموں کے لئے بھی چراغ راہ کا کام کرے گی۔

مکمل سیٹ کی رعایتی قیمت صرف 2500 روپے

facebook amtkn313
WWW.AMTKN.COM
ameer@khatm-e-nubuwwat.com

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

تحریکِ ختمِ نبوّت

1934ء تا 2019ء

مکمل سیٹ دس جلدیں

ترتیب و تحقیق

شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

مکمل سیٹ کی رعائتی قیمت صرف -/2500 روپے ہے

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

حضوری باغ روڈ، ملتان۔

061-4783486
0303-7396203

نوٹ: ملک بھر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام دفاتر سے یہ سیٹ مل سکتا ہے